فائزہ افتخار

چوتھی قسط

سالار کا ذہن پہلے سے امہانی کی باتوں سے الجھا ہوا تھا۔ وہ سعد کے بارے میں اتنی سادگی سے سب بتا رہی تھی کہ وہ چاہ کے بھی اپنی ناگواری یا سخت رد عمل ظاہر نہیں کرپایا تھا مگر یہ تھا جو چبھ رہا تھا۔۔۔ بری طرح سے، اماں کی بات پہ وہ مزید چڑ گیا۔

"یہ آپ کو بیٹھے بٹھائے اس کی فکر کیوں ستانے لگی۔ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے۔ ام ہانی اس گھر کی بہو بن کے آنے والی ہے۔ اس کے معاملات ہم سے الگ نہیں ہیں۔"

"مگر بہتر ہو گا آپ خود کو ان معاملات سے الگ ہی سمجھیں۔" اس کے تختی سے تنبیہہ کرنے پہ بھی وہ رہ نہ سکیں۔

"سالار۔۔۔ ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ وہ بن ماں باپ کی بچی ہے اس کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا حق اسے ملنا چاہیے۔"

اس پر وہ ٹھٹک گیا۔

"کیا کسی نے آپ سے کہا ہے کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے یا اس کا حق غصب کیا جارہا ہے۔"

"نہیں ایسا تو کچھ نہیں ہے۔ کون کہے گا بھلا۔" وہ گڑبڑا گئیں۔

"تو کیا آپ کو الہام ہوا ہے۔"

"زمانہ بہت خراب ہے اور تم بھول گئے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا تھا۔۔۔ تم کم عمر تھے اور میں جوان بیوہ۔۔۔ تو دنیا ہمیں ہڑپ کرنے کو تیار۔۔۔ وہ بھلے لوگ سہی لیکن کسی کی نیت کا کیا پتا۔"

"کیا ہو گا زیادہ سے زیادہ۔ وہ لوگ اس کی جائیداد رکھ لیں گے؟ رکھ لیں۔۔۔ اگر امہانی چاہے گی تو میں اس کی پائی پائی اسے دوبارہ واپس دلوا دوں گا۔ مگر تب۔۔۔ جب مجھے اس کا اختیار ہو گا۔ ابھی آپ اس معاملے سے دور رہیں اور جو کام آپ کو سونپا ہے صرف وہ کریں۔۔۔ یعنی شادی کی تیاریاں۔"

اس کا بے زار لہجہ بتدریج بدتمیز ہو گیا تو اماں چپ ہو گئیں۔۔۔ مگر جو ٹھان بیٹھی تھیں۔ اس سے پیچھے نہ ہٹ سکیں۔

☆ ☆ ☆

دل میں چور ہو تو انسان ویسے ہی میسنا اور گھنا سا بن کر نظر جھکا کے بیٹھتا ہے جیسے میں کھانے کی میز پہ اس وقت ان دونوں کی باتوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی سنتا حلق سے نوالے اتار رہا تھا۔

"تم اس ویک اینڈ پہ ام ہانی کو لے کر شہر چلی جانا شاپنگ کے لیے۔"

"بالکل۔۔۔ اور جیولر کو میں نے گھر ہی بلا لیا ہے ہانی پسند کر لے گی۔"

"وہ سادگی پسند ہے۔ میں جانتا ہوں کیا پسند کرے گی مگر تم اس کی پسند کے علاوہ بھی کچھ بھاری زیورات بنوا لینا ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"بالکل مجھے بھی اس بات کا احساس ہے۔ دنیا ہر عمل پہ نظر رکھتی ہے۔ ذرا سی کوئی کسر رہ گئی تو کہیں گے ام ہانی کے ماں باپ زندہ ہوتے تو یہ کرتے۔۔۔ وہ کرتے

"دنیا کی زبان کون پکڑ سکتا ہے مگر مجھے لوگوں سے زیادہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کی فکر ہے..... میں نے کل وکیل کو بلوایا ہے ام ہانی کی ساری پراپرٹی اس کے نام باقاعدہ، مستقل کرنے کے لیے....." میرے کان کھڑے ہوئے۔

"بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ ہم اپنی جانب سے ہی اسے کوئی پراپرٹی گفٹ کریں۔"

شرمندگی کے مارے لقمہ میرے حلق میں پھنس گیا۔

"ضرور کریں... ہماری اپنی بیٹی ہوتی تو کیا ہم اسے نہ دیتے۔ رضوان آپ کو لوگوں کی پروا ہو نہ ہو.... مگر مجھے ہے۔ میں ڈرتی ہوں جب کوئی ہماری نیت پہ شک کرے یا ہم پہ انگلی اٹھائے۔"

اس سے زیادہ مجھ سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا... میں کھانا چھوڑ کے وہاں سے اٹھ گیا... وہ دونوں حیرت سے مجھے جاتا دیکھ رہے تھے۔ شاید پکارا بھی ہو.... مگر

مجھ میں اب اور کچھ سننے کا حوصلہ نہیں تھا میں اندھیرے لان میں آکے بیٹھ گیا۔ جیسے سب سے چھپنا چاہتا ہوں۔ کسی کو نظر نہ آنا چاہتا ہوں۔۔۔ مگر اوپر۔۔۔ دور کھلی کھڑکی سے جھانکتی ام ہانی کی نظروں سے کیسے اوجھل رہتا۔

رات بھر اوس میں بھیگنے کے بعد میں برآمدے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ جب وہ کانوں کے پیچھے دوپٹا اڑستی وہاں نکلی۔۔۔ دیر تک کھڑی مجھے نماز پڑھتے دیکھتی رہتی۔۔۔ جب میں نے دعا کے بعد ہاتھ چہرے پہ پھیرے تو کہنے لگی۔

"ارے واہ۔۔۔ آج تو بڑے اچھے بچے بنے ہوئے ہو، نماز پڑھی جارہی ہے۔ کیا مانگ رہے تھے؟"

"جس سے مانگا ہے اسے پتا ہے۔"

"تمہیں مسجد جاکے پڑھنی چاہیے تھی نماز۔۔۔"

"مجھے اللہ سے اکیلے میں کچھ بات کرنا تھی۔" میں اٹھ کے اسی سنجیدگی سے جائے نماز تہ کرنے لگا۔

"وہی بات۔۔۔ جو ساری رات باہر اکیلے بیٹھ کر کرتے رہے۔" اس کے سوال پہ میں چونکا۔ پھر رخ بدل کے ٹال گیا۔ مگر وہ ٹلنے والی تھی۔

"بتاتے کیوں نہیں کہ ہوا کیا ہے؟"

"نہ کچھ ہوا ہے۔۔۔ نہ میں ہونے دوں گا، سمجھیں۔"

تلخ لہجے میں اسے جھاڑ کے میں اندر چلا گیا اور کل کی طرح کمرے میں بند ہو گیا۔ اس وقت تک جب تک مجھے سالار کی اماں کے آنے کی اطلاع نہیں مل گئی۔

✡ ✡ ✡

"بغیر اطلاع کے آنے کے لیے معذرت چاہتی ہوں۔" ایک شرمندگی خجالت اور الجھن کے ساتھ ساتھ ان کے چہرے پہ ایک تذبذب بھی تھا، جیسے وہ ابھی تک کشمکش کے عالم میں ہوں کہ انہیں یہ بات کرنی چاہیے کہ نہیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔۔۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔"

امی کھٹک تو گئی ہوں گی ان کے انداز سے مگر ظاہر نہ ہونے دیا۔ البتہ ابو نے فوراً اظہار کر دیا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ کچھ پریشان ہیں۔"

"پریشان تو نہیں البتہ۔۔۔ میں یہ سوچ کے ہچکچا ضرور رہی ہوں کہ آپ میری بات کا غلط مطلب نہ نکالیں۔"

"آپ کھل کے بات کریں۔" امی۔۔۔ ابو۔۔۔ پھوپھو، تینوں سنبھل گئے۔

"ام ہانی آپ کی بیٹی ہے مگر اب ہمارا بھی اس سے ایک رشتہ جڑنے جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں یہ حق ہے کہ اس کے معاملات میں۔۔۔ اس کی بھلائی کی خاطر۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔" وہ رک رک گئیں۔

"دیکھیں روپیہ، پیسہ، جائیداد یہ سب بہت بدلحاظ چیزیں ہیں محبتوں اور رشتوں میں دراڑ پیدا ہو جاتی ہے ان سے۔ اگر بروقت ان کے بارے میں فیصلہ نہ کر لیا جائے۔" امی اور ابو دونوں ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

"میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔" انہوں نے وضاحت چاہی۔

"ام ہانی کو اپنے والدین سے ورثے میں جو بھی ملا ہے" آپ لوگوں نے بہت ایمانداری اور خلوص سے اب تک اسے سنبھالا ہے مگر اب وقت آگیا ہے کہ اس کی امانت اسے سونپی جائے۔"

امی ابو تو یقیناً ایک سناٹے میں آگئے تھے۔ مگر پھوپھو نے واویلا مچا دیا۔

"ہائے اللہ۔۔۔ تو آپ کے کہنے کا مطلب ہے شادی سے پہلے ہانی کی ساری جائیداد آپ کے حوالے کر دی جائے۔۔۔ غضب خدا کا۔" پھوپھو کی آواز باہر مجھ تک با آسانی آرہی تھی۔ اور میں دعائیں کر رہا تھا کہ اونٹ اسی کروٹ بیٹھے جس کروٹ میں چاہتا تھا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ ہمارے حوالے کیوں خدانخواستہ۔۔۔ ام ہانی کی چیز ہے اس کے حوالے کریں۔" وہ گڑبڑا

کے وضاحت دینے لگیں۔

"ایک ہی بات ہوئی۔۔۔ لے کر تو وہ آپ کے گھر آئے گی۔ اتنا اتاؤلا پن۔۔۔ ہم کونسا کھا جانے والے تھے اس کا حق۔"

"مہ پارہ۔۔۔ خاموش رہو۔" ابو کے ڈپٹ کے چپ کرانے پہ بھی وہ تلملاتی رہیں۔

"بھائی صاحب۔۔۔ اچھا ہوا ان کی نیت وقت پہ سامنے۔۔۔"

"میں نے کہا ناں مہ پارہ۔۔۔ خاموش۔" اور پھر واقعی ایک خاموشی چھا گئی۔ اندر جانے کی میری ہمت نہیں ہو رہی تھی اور اب باہر تک کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں بے چینی سے تپتی گھاس پہ ٹہل رہا تھا۔ اندر سے سالار کی اماں کو نکلتے دیکھ کر میں اوٹ میں ہو گیا۔ ان کے چہرے کے تاثرات سے اندر کے ماحول کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔۔۔ مگر دھوپ کی تپش سے بچنے کے لیے انہوں نے چادر آگے تک کھینچ رکھی تھی۔ لاچار مجھے ان کی گاڑی گیٹ سے نکلتے ہی اندر آنا پڑا تاکہ صحیح صورت حال جان سکوں۔ امی ابو اسی سکتے اور افسوس کے سے عالم میں تھے جبکہ پھوپھو بھڑاس نکال رہی تھیں۔

"کمال ہے۔۔۔ اتنی بڑی بات پی گئے آپ لوگ۔۔۔ اور انہیں کورا سا جواب دینے یا آئینہ دکھانے کی بجائے تسلی دے کر روانہ کر دیا۔"

"شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور وہ بھی بیس دن بعد کی۔ ایسے میں کسی قسم کی بدمزگی کا مطلب جانتی ہو تم۔۔۔ مہ پارہ؟"

"اور جو انہوں نے کہا اس کا مطلب جانتے ہیں آپ۔۔۔ ان کی نظر ہانی کی دولت اور جائیداد پہ ہے۔۔۔ ارے کیسے خاندانی لوگ ہیں یہ؟ انہوں نے تو اتنا ہلکا پن دکھلا دیا۔ ابھی سے یہ حال ہے تو بعد میں کیا کریں گے۔"

"لیکن یہ بھی تو دیکھو مہ پارہ۔ ہانی کا جو ہے اسے ہی دینا ہے۔" امی کی بات کو پھوپھو نے مکھی کی طرح ہوا میں اڑا دیا۔

"ہاں۔۔۔ مگر کوئی اپنے منہ سے تو نہیں مانگتا۔۔۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ لیں۔"

"نہیں اب بالکل بھی وقت نہیں ہے۔" ابو نے قطعی لہجے میں کہا اور میں آگے بڑھتا بڑھتا رک گیا۔ یہی خطرہ تھا مجھے۔۔۔ اور وہ بھی ابو کی جانب سے ہی۔

"دنیا کو کیا کہیں گے ہم کہ انہوں نے ہانی کی جائیداد اس کے نام کرنے کا کہا تو ہم نے رشتہ توڑ دیا تاکہ لوگ سمجھیں ہم واقعی ایسا نہیں کرنا چاہتے اور کیا گارنٹی ہے اس بات کی کہ جو بھی دوسرا رشتہ آیا وہ ہر طرح کے لالچ سے مبرا ہو گا۔"

میں مدد طلب نظروں سے پھوپھو کو دیکھنے لگا۔ ان کا ہی آسرا تھا۔ امی تو اپنے سرتاج کی زبان بول رہی تھیں۔

"بیٹی کا رشتہ تو ایک رسک ہی ہوتا ہے۔ لینا پڑتا ہے آگے ہماری دعائیں اور اس کا مقدر بس تم سے ایک درخواست ہے بلکہ ہاتھ جوڑتی ہوں کہ دادا جی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ ان کی ضد کے آگے ہم کچھ نہیں کر پائیں گے۔ وہ اس عمر میں ہیں کہ زیادہ سوچ بچار نہیں کر سکتے۔ بس جذباتی فیصلہ صادر کر دیں گے فوراً۔" تم اپنا حال دیکھو ان کی ضد کی وجہ سے تم بیٹھی رہ گئیں کسی کا کیا گیا۔" ہمیشہ کی طرح اس آخری بات نے پھوپھو کی زبان بند کر دی۔

"بلکہ ام ہانی سے بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے بچی کا دل برا ہو گا۔"

میں پیر پٹختا اپنے کمرے میں جانے لگا۔ تیسرا دن تھا مجھے کمرے میں خود کو سارا دن بند کیے۔۔۔ سب کے دل میں الٹے سیدھے وسوسے تو آنے ہی تھے۔ مگر آج امی ابو اور پھوپھو کے دل میں پہلے سے اتنے وسوسے تھے کہ انہیں فرصت ہی نہ ملی میرے تیور پہ غور کرنے کی۔ ایک ہنی تھی جو وقفے وقفے سے آ کے دستک دیتی اور پکارتی اور پھر مایوس ہو کے لوٹ جاتی تھی۔ رات گئے مجھے بھوک نے ستایا تو میں دبے پاؤں نکلا اور ہال کے اندھیرے کونے سے گزرتے گزرتے امی ابو کی آواز سن کے رک گیا۔

"یہ دنیا ہے رضوان، یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔" امی کی آواز میں افسوس تھا۔ دکھ تھا بے یقینی تھی۔

"مجھے اپنا آپ بہت چھوٹا لگ رہا ہے نائلہ۔" اور ابوان کی آواز میں تو اتنا کرب تھا کہ میں لرز کے رہ گیا۔

"میری نیت اور خلوص پہ شبہ کیا گیا ہے نائلہ۔۔۔ اور وہ بھی بیٹی کے معاملے میں کیا میں اتنا کم ظرف ہوں کہ اپنی ہی بچی کے ساتھ۔۔۔"

"دل پہ نہ لیں رضوان۔ خدا جانتا ہے آپ کی نیک نیتی کو۔"

"ہاں۔۔۔ مگر میں نے خود کو آج سے پہلے کبھی کمزور اور بے بس محسوس نہیں کیا ٹوٹ گیا ہوں اندر سے۔"

ان کی بات پہ میں نے اپنے اندر بھی کچھ ترخ سے ٹوٹتے محسوس کیا۔۔۔ کچن تک جاتے قدم واپس موڑ کے میں لان میں چلا آیا۔ کمرے میں جاتا تو شاید گھٹن سے دم نکل جاتا میرا۔

"ابو آئم سوری، آئم سوری ابو۔" آنسوؤں میں بھیگی آنکھیں بند کیے میں نے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہا۔

"کیا کیا ہے تم نے سعد۔"

پتا ہی نہیں چلا۔ کب ہنی میرے ساتھ آکے بیٹھ گئی تھی، میں نے گردن موڑ کے دیکھا اور اس کی چبھتی نظروں سے بچنے کے لیے رخ پھیر لیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ کچھ بھی نہیں میں نے کیا کرنا ہے۔"

"جھوٹ مت بولو۔" وہ رعب سے مجھے لتاڑے گئی۔

"میں تمہارے سب انداز پہچانتی ہوں سعد۔"

"بکواس، تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتیں، نہ جاننے کی اہلیت ہے تم میں۔"

"کچھ تو کیا ہے تم نے۔۔۔ جسے چھپا بھی رہے ہو اور اس پہ پچھتا بھی رہے ہو۔۔۔ کہہ دو گے تو دل ہلکا ہو جائے گا۔"

"نہیں بتاؤں گا۔" میں نے روٹھی نظروں سے اسے گھورا اور اس نے غصے سے۔

"سعد۔۔۔ بتاتے ہو یا لگاؤں ایک؟"

"میری دادی بننے کی کوشش نہ کرو۔۔۔ میں تمہارا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔"

"دوست تو ہو۔۔۔" وہ مسکرادی۔

"اور میں جانتی ہوں۔ بے وقوفی اور جلد بازی میں تم بہت سی الٹی سیدھی حرکتیں کر جاتے ہو اور پھر نادم بھی ہوتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ۔۔۔ کیا رزلٹ اچھا نہیں آیا۔ چھپایا ہے تم نے؟"

اس نے بڑی ہمدردی سے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھا۔۔۔ مگر میں اس کے الٹے سیدھے اندازوں پہ چڑا بیٹھا تھا۔ ہاتھ جھٹک دیا۔

"سعد مجھے بتا دو گے تو میں تمہیں ڈانٹ سے بچالوں گی۔"

"کیوں؟ تم گاڈ فادر ہو میری۔۔۔ میری گارجین ہو؟" میرے دھاڑنے پہ اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔

☆ ☆ ☆

"میں۔۔۔ مگر میں کیوں؟" سالار ریسیور کان سے لگائے حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"اگر آپ نے اپنے لائر کو بلایا ہے اپنے ایک ضروری کام سے تو میرا ہونا کیوں ضروری ہے۔"

اس کے استفسار پہ رضوان کو اسے ساری بات تفصیل سے بتانا ہی پڑی۔ دوسری جانب ایک گہری خاموشی تھی اور پھر کھٹ سے فون بند۔ انہوں نے فون رکھتے ہوئے ایک سانس بھر کے کہا۔

"سالار کو بھی بلالیا ہے میں نے، یہ قدم اٹھانا تو ہے ہی۔ مگر وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے کہنے پہ کر رہا ہوں، وکیل کے سامنے ان کے علم میں آجانا چاہیے کہ میں تقریباً سب کارروائی پہلے سے کر چکا ہوں۔"

"صحیح کہا آپ نے۔۔۔ انہیں یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ ہم نے تو اپنی پراپرٹی میں سے بھی ام ہانی کو دینے کا فیصلہ کیا ہے۔" اتنے میں سالار کو آتے دیکھ کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"السلام علیکم۔" تیور کی طرح اس کا لہجہ بھی خشک اور سرد تھا۔

"آؤ بیٹا۔۔۔ میں تمہارا ہی ویٹ کر رہا تھا۔۔۔ اعظمی صاحب بھی آنے ہی والے ہوں گے۔۔۔ بیٹھو۔"

"میں بیٹھنے نہیں آیا اور آپ اپنے وکیل کو بھی آنے سے منع کر دیں تو بہتر ہے۔ بلاوجہ آپ کا اور ان کا وقت ضائع ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں کسی قسم کی وضاحت نہیں دوں گا کہ اماں نے یہ بات آپ سے کیوں کی۔۔۔ کیا مقصد تھا ان کا۔۔۔ مگر میں اپنی بات کہوں گا میں سالار اعظم اس بات سے انکار کرتا ہوں اگر ام ہانی میری زندگی اور میرے گھر میں آئے گی تو اپنے والد کا تمام ترکہ اس حویلی میں چھوڑ کے آنا ہو گا۔" اس کے لہجے میں پتھریلی سی جنونیت تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو سالار۔۔۔ تم بیٹھو تو سہی۔ آرام سے بات کرتے ہیں۔ ابھی تم جذباتی ہو رہے ہو۔"

"میں جذبات کو کبھی ساتھ لے کر نہیں چلتا۔ جذباتی فیصلے ناپائیدار ہوتے ہیں اور میرا یہ فیصلہ اٹل ہے۔ اگر ہانی کو یہ جائیداد عزیز ہے تو اسے میری امید ترک کرنا ہو گی۔" اس نے فیصلہ کن نظروں سے سامنے ہکا بکا کھڑی ام ہانی کو دیکھا۔

"یہ کوئی ایشو نہیں ہے بیٹا۔۔۔ جس پہ تم بگڑ گئے۔۔۔ یہ ام ہانی کا حق ہے جو اسے کل یا آج ملنا ہی ہے۔"

"کیا آپ کو لگتا ہے میں اس کے کسی بھی حق کو ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں؟" اس نے پلٹ کے سوال کیا۔

"ایسا نہیں ہے۔۔۔ مگر۔۔۔"

"یا ام ہانی کو اندیشہ ہے کہ میں اس کی ذمہ داری ٹھیک سے نبھا نہیں سکوں گا اس لیے وہ جائیداد کی بیساکھیاں لے کر آنا چاہتی ہے۔"

"سالار تم بات کو الجھا رہے ہو بیٹا۔"

"نہیں میں وہ مسئلہ سلجھا رہا ہوں جو اماں نے الجھا دیا تھا۔ یہ تو طے ہے کہ ام ہانی میرے گھر خالی ہاتھ آئے گی۔ رہا اس کا حق تو آپ اسے وہ تب دیجیے گا جب میں نہ رہوں۔ کم از کم میری زندگی میں یہ ممکن نہیں۔"

"سالار۔۔۔" ام ہانی تڑپ اٹھی تھی۔

اور پھر رضوان اور نائلہ کو دیکھتے ہوئے نظر جھکا کے بولی۔

"اس جائیداد اور دولت کی ضرورت مجھ سے زیادہ ہمارے ٹرسٹ اسکول اور اسپتال کو ہے۔ میں اسے وہاں دینا پسند کروں گی۔" سالار کے ہونٹوں پہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ آگئی۔

"سن لیا آپ نے اس کا فیصلہ۔"

"اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" نائلہ نے بے بسی سے کہا۔

"شکریہ۔" وہ جانے کے لیے مڑا۔ اور پھر رک کر دوبارہ کہنے لگا۔

"ایک اور بات۔۔۔ میں چاہتا ہوں شادی تین ہفتے بعد کے بجائے اگلے ہی جمعے کو ہو۔"

"کیا۔۔۔ مگر اتنی جلدی؟ صرف پانچ دن ہیں درمیان میں۔"

"کچھ مسئلہ نہیں ہے۔ میں ویسے بھی سادگی کا قائل ہوں اور شادی تو ہے ہی ایک پرسنل معاملہ اس میں سینکڑوں افراد کو شامل کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگلے جمعے میں نکاح کے لیے چند قریبی لوگوں کے ساتھ حاضر ہو جاؤں گا۔" وہ حتمی انداز میں کہہ کر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

میں مسجد سے بھاگا آ رہا تھا سالار کے آنے کا سنتے ہی۔۔۔ مگر حویلی کے گیٹ پہ ہی اس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔۔۔ چند لمحے کے لیے ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل سرد نگاہوں کا تبادلہ کرتے رہے اس وقت کوئی پاس تو تھا نہیں جو میں مروت کے مارے اس کا لحاظ کرتے ہوئے سلام دعا ہی کر لیتا۔ میری نظروں میں اس کے لیے جو بھی تھا وہ یقیناً "خوشگوار" نہیں ہو گا مگر اس کی نظروں میں میرے لیے، جو حسد، رقابت اور جھلسا دینے والی کیفیت تھی اس کی وجہ جاننے سے میں قاصر تھا۔

پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ کے اس طرف کھڑی اپنی سرکاری گاڑی کی جانب بڑھا اور میں اندر...

"کوئی تک ہے بھلا۔"

اندر مہ پارہ پھوپھو جلی بیٹھی تھیں اور امی پریشان۔

"صرف پانچ دن ہیں جمعے میں' اتنی جلدی شادی کی تیاریاں سالار نے بھی حد کر دی۔" اور میرے قدم وہیں ساکت ہو گئے۔

"بھابھی آپ لوگ بھی تو اس کے سامنے ایسے بے بس ہو کر ہتھیار ڈال دیتے ہیں' کہہ دیتے کہ شادی مقررہ تاریخ کو ہو گی۔"

"بھئی میں ان معاملات میں بالکل کورا ہوں... پہلی بار ایسا فرض نبھانا پڑ رہا ہے۔"

ابو جھنجلا اٹھے۔

"ڈرتا ہوں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ ہو جائے اور کوئی اونچ نیچ... میں یہ تاثر کیسے دوں کہ ہم اتنے گئے گزرے ہیں کہ ایک ہفتے میں شادی کے انتظامات تک نہیں کر سکتے۔"

"مگر میں اکیلی... یہ سب ہو گا کیسے؟"

امی کی پریشانی میں ڈوبی آواز بہت دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔ میں بے جان قدم گھسیٹتا اپنے کمرے کی جانب جانے لگا۔

"واہ بھابھی... کیسے خود کو اکیلی کہہ کر مجھے کنارے سے لگا دیا۔ جیسے میں تو کچھ ہوں ہی نہیں۔"

"چلو تم دونوں اصل مسئلے کو چھوڑ کے اب اپنی بحث شروع کر دو۔" ابو نے دونوں کو ڈپٹ کے چپ کرایا تھا اور شاید... شاید مجھے پکارا بھی تھا مگر میرے کمرے کا دروازہ ایک بار پھر بند ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

اماں پہ گھبراہٹ اور خوف دونوں طاری تھے۔ سالار تھا ہی اتنا غصے میں۔

"آپ نے زندگی کے ہر موڑ... ہر قدم پہ مجھے مایوس اور شرمندہ ہی کیا ہے۔"

"سالار... میں نے... میری نیت تو صرف اتنی تھی کہ..." انہوں نے کہنا چاہا مگر سالار نے بات کاٹ دی۔

"بس... کچھ نہ کہیں... میں سب جانتا ہوں آپ نے یہ سب کس لیے کیا۔ آپ چاہتی تھیں اس کے آنے سے پہلے ہی اس کے قدم جمے ہوں... آپ خود کبھی مجھ پہ حاوی نہ ہو سکیں۔ اس کے بدلے' آپ مجھ پہ حاوی دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"سالار..." وہ اس درجہ بدگمانی پہ دنگ رہ گئیں۔

"میں ماں ہوں تمہاری... میں ایسا کیوں چاہوں گی بھلا۔"

"آپ نے آج تک جو بھی کیا ہے۔ کیا اس کی کوئی وجہ ہے آپ کے پاس؟" اور غصے میں ٹیبل کو ٹھوکر مارتا آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

مجھے شعیب کے علاوہ کون ملتا جس کے سامنے میں اپنی حالت بیان کرتا۔

"شعیب جو کرتا ہوں الٹا ہو جاتا ہے' ایسا لگتا ہے قسمت کے ہر چکر میں بس میں لپیٹا جا رہا ہوں۔ جتنا سالار سے اس کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تقدیر ان کو اور بھی پاس لے آتی ہے۔ اب تو مجھے اپنی دعاؤں پہ بھی بھروسا نہیں رہا شعیب۔"

شعیب نے جواب میں کچھ کہا تھا۔ مگر اس کی آواز باہر سے آتی ڈھولک کی تھاپ اور گیتوں کی آواز میں دب گئی۔

"یہ پیلا جوڑا... یہ ہری ہری چوڑیاں۔" میرے ہاتھ مردہ سے ہو گئے۔ اور فون پھسل کے گود میں آ گرا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا ہنگامہ ہے بھئی۔"

مہ پارہ جوڑے میں بال لپیٹتی ہال میں نکلی۔ جہاں حویلی کی سب ملازمائیں' سلمیٰ کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھیں گیت الاپ رہی تھیں اور سلمیٰ کے سانولے ہاتھ دھپا دھپ ڈھولک پہ پڑ رہے تھے۔

"سوچا تھا... شادی سے ہفتہ پہلے ڈھولک رکھوں گی۔ اب اتنے دن رہے نہیں تو سلمٰی کو بٹھا دیا ڈھولک پہ... کل سے بلواتی ہوں۔ آس پڑوس اور برادری کی بچیوں کو... سب رشتے داروں کو اب فون پر ہی مدعو کرنا پڑے گا... خود جا کے کیسے دعوت دیں اور بہت سے کام بھی تو ہیں۔"

"ہونہہ... یہ سوچیں رشتے داروں کو وجہ کیا بتائیں گے اتنی "آناً فاناً" شادی کی؟"

مہ پارہ نے نائلہ کے اطمینان کو فکر میں جھونکنا چاہا۔

"یہ کام رضوان کے سپرد۔ اور تو رک کیوں گئی سلمٰی بجا... اور جا کے اور بھی لڑکیوں کو بلا کے لاؤ شادی والا گھر ہے پتا چلنا چاہیے۔"

"بابل تیرے محلاں دے رنگلے بوہے۔"

سلمٰی کی چنچل آواز مہ پارہ کو اداس کر گئی۔ اس نے جوڑے میں سے باہر نکلی لٹ کو پیچھے اڑسا... جس میں بہت سے سفید بال اب صاف جھلکنے لگے تھے' وہ بوجھل قدموں سے پلٹنے لگی۔

بابل تیرے محلاں دے رنگلے بوہے...

تے وچوں میری ڈولی لنگنی

"ساڈا چڑیاں دا چنبا اے...

بابل اساں... اڑ جانا۔

سلمٰی کی کراری آواز کانوں کے پردے چیرے دے رہی تھی۔ ام ہانی کے کمرے کے کھلے دروازے کے پاس رک کر میں نے دیکھا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ اپنی چوڑیوں سے کھیلتی... ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے... میرے قدم بے اختیار اس کی جانب بڑھے اور دروازہ بند ہونے پہ سلمٰی کی آواز اور ڈھولک کی تھاپ مدھم ہوئی تو وہ چونک کر مڑی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کی خوشی دگنی ہو گئی۔

"نکل آئے ناں تم کمرے سے... میں جانتی تھی اب تمہاری خفگی زیادہ دیر چل ہی نہیں سکے گی۔" میں کھنچتا چلا گیا اس کی جانب۔

"دیکھو ناں... سعد میرے ہاتھوں میں یہ چوڑیاں کیسی لگ رہی ہیں۔" اس نے کلائی میرے سامنے لہرائی۔

"زہر لگ رہی ہیں۔" میں نے دل کی بات کہی... سچی بات۔

"تم بہت برے ہو۔" وہ پھر سے خفا ہو گئی۔

"مجھے پتا ہی نہیں تھا ہنی کہ میں تمہیں اتنا برا لگتا ہوں۔" میرے لہجے میں درد تھا اور وہ میرے ہر درد کو محسوس کرنے والی جانے کب سے اتنی بے حس ہو گئی تھی۔

"لگتے نہیں تھے... اب بھی نہیں لگتے... مگر تم ہو گئے ہو برے۔ کیوں کر رہے ہو تم ایسا؟ کیوں اکھڑے اکھڑے کٹے کٹے اور کترائے کترائے رہتے ہو... ملتے بھی ہو تو جلی کٹی باتیں کرتے ہو۔ پتا ہے تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے میں اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی کو ٹھیک سے محسوس بھی نہیں کر پا رہی۔"

"تم اس لیے اس خوشی کو محسوس نہیں کر پا رہی تھیں... کیونکہ تم خوش ہو ہی نہیں۔"

"میں خوش کیوں نہیں ہوں گی' یہ شادی میری مرضی سے ہو رہی ہے۔"

"لیکن میری مرضی تو نہیں ہے ناں اس میں اور تمہیں تو عادت ہے میرے ساتھ رونے کی' میرے ساتھ ہنسنے کی تو جب میں خوش نہیں ہوں تو تم خوش کیسے ہو سکتی ہو۔"

"یہ تو میں بھی تم سے پوچھ سکتی ہوں کہ تم خوش کیوں نہیں ہو۔ کیسے دوست ہو تم۔" وہ بگڑ گئی میرے سچ پہ۔

"بولو ناں... ایسے کرتے ہیں دوست؟ ایسے ہوتے ہیں۔"

"میں اس لیے خوش نہیں ہوں کیونکہ... کیونکہ میں دوست نہیں ہوں ہنی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی... بے یقینی تھی۔

بابل اساں اڑ جانا...

ساڈا چڑیاں دا چنبا...

ہم دونوں کے خاموش ہونے پہ سلمیٰ کی گراری آواز پھر سے ماحول پہ حاوی ہونے لگی۔ ہنی کو نجانے کیا ہوا۔ مجھے دیکھتے دیکھتے وہ اچانک گھبرا کے مجھ سے کترا کے وہاں سے جانے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور باقاعدہ گڑگڑا ہی اٹھا۔

"ہنی... مت کرو ایسا... نہ کرو یہ شادی۔"

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟" وہ وحشت زدہ سی ہو کے اپنا ہاتھ چھڑا رہی تھی۔

"ہو جاؤں گا... بہت جلد لیکن بچ بھی سکتا ہوں۔ اگر تم چاہو۔"

"تمہارا تو پتا نہیں... مگر تمہاری ان الٹی سیدھی باتوں سے میں ضرور پاگل ہو جاؤں گی۔"

آخر اس نے غصے سے اپنا ہاتھ مجھ سے چھڑا لیا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ پھر سے کھلا رہ گیا... اور سکوت پہ سلمیٰ کی آواز راج کر رہی تھی۔

ساڈی قبر اڈاری اے...
اساں ہن نئیں آنا...

☆ ☆ ☆

"یہ والا سچے تلے کا ہے... سونے کے تار سے گندھا... اب کہاں ہوتا ہے ایسا کام... دیکھو تو۔"

ام ہانی کا دھیان کسی جانب جا ہی نہیں رہا تھا۔ سوائے اس پہیلی کے جو اس کے دل و دماغ میں کھلبلی مچا رہی تھی۔ وہ کسی کی سن کے بھی نہ سن پا رہی تھی۔

"اماں جان نے یعنی تمہاری دادی نے بڑے چاؤ سے بنوا کے رکھا تھا یہ حویلی کی بیٹی کے لیے ایسا ہی جوڑا بنتا ہے ہمیشہ۔ مہ پارہ کے نصیب میں تو تھا نہیں... اب میں اسے تمہارے ناپ کا بنوا دیتی ہوں۔" وہ اسی بے دھیانی میں ہلکے سے اس دوپٹے کو چھو کر رہ گئی۔

"کیا ہوا ہانی، مہ پارہ نے تو دل جلانے والی کوئی بات نہیں کر دی؟ اسے بھی ذرا لحاظ نہیں کہ تم چند دن کی مہمان ہو۔"

"نہیں تائی اماں... ایسا کچھ نہیں ہے۔"

وہ سنبھل سی گئی۔ ویسے بھی صبح سے گھر میں مہمانوں کی آمد جاری تھی۔ دور پرے کے قریبی سب عزیز و اقارب کی سواریاں وقفے وقفے سے اتر رہی تھیں۔ ایسے میں اس کے کھوئے کھوئے انداز کو کوئی بھی کسی بھی رنگ میں لے سکتا تھا۔ اور پھر سب سے بڑھ کے خالہ بتول... جو رشتے میں تو دادی لگتی تھیں۔ مگر پچھلی نسل کی دیکھا دیکھی یہ نسل بھی ان کو خالہ کہتی تھی اور تو اور ان کا سگا پوتا علی بھی... ان کی تو ویسے بھی سب پہ نظر ہوتی تھی... کل سے دس بار تو مہ پارہ پھوپھو کو کچوکے دے چکی تھیں کہ سگی بھتیجی کی شادی پہ منہ پھلائے پھر رہی ہے اور... وہ بیلی... نیاز ماموں کی اکلوتی پٹاخا کتنی عادت ہے اسے سوال کرنے کی... یہ کیا؟ وہ کیوں؟ تو...

"اچھا... اب یہ زیور بھی دیکھ لو۔"

"اوفوہ... یہ تو بہت بھاری ہے تائی اماں۔"

"ہاں... اب سب تمہاری پسند کے ہلکے پھلکے تو نہیں رکھنے۔" میں نے سیڑھیاں اترتے ہوئے بے زاری سے ہال کے پھیلاوے پہ نظر دوڑائی۔ جسے شاید وہ سب رونق اور ہنگامے کا نام دے رہے تھے۔

"سعد... باہر مت نکلنا۔"

امی نے زیورات کے ڈبے جلدی سے بند کرتے ہوئے مجھے پکارا۔

"اڑے اڑے پھرتے ہو سارا دن... یہ نہیں کہ پوچھ ہی لو کہ کوئی کام ہے؟"

"جی... کوئی کام ہے؟"

میں نے مارے باندھے وہیں کھڑے کھڑے کہا... ایک ناراض سی نظر ہنی پہ ڈالی... اس کی نظر میں مجھ سے زیادہ ناراضی تھی۔

"بالکل ہے... تم نے اپنے ابو اور نیاز ماموں کے ساتھ سالار کے ہاں جانا ہے۔"

مجھے تو آگ ہی لگ گئی سن کر۔

"کس خوشی میں؟"

"سالار کا ناپ لینے۔"

"کس چیز کا ناپ، چوڑیوں کا؟"

میں مزید تپ کے بولا تو جہاں ہانی نے نظروں سے

آگ برسائی وہاں امی نے بھی دھپ لگادی۔

"چپ' بدتمیز' شیروانی کا ناپ لینے اور یہ تو رسم ہے کہ اس کے لیے گھر کے سب مرد جاتے ہیں۔"

"تو سمجھیں میں مرد ہی نہیں ہوں۔"

جز بز ہو کے میں نے انتہائی بے تکی بات کر ڈالی جس پہ ام ہانی باوجود خفگی کے بے ساختہ ہنس پڑی.... میں نے فوراً" اس کے چہرے سے نظر ہٹائی' کہیں یہ ہنی میرا غصہ نہ کم کردے۔

"میرا مطلب ہے میں نہیں جا سکتا ایسی بے کار سڑی ہوئی رسموں کے لیے آپ اندازے سے لے لیں۔ ایکسٹرا لارج۔"

چبا چبا کے میں نے جتایا۔ وہ ہنستے ہنستے پھر گھورنے لگی۔ خالہ بتول کا چہیتا بلو نگڑا علی فوراً" نمبر بڑھانے لپکا۔ یہ بچپن کی عادت تھی اس کی.... خبیث۔

"آپ فکر نہ کریں آنٹی.... میں چلا جاتا ہوں انکل کے ساتھ کوئی اور کام ہے تو بتائیں۔"

"جیتے رہو بیٹا...."

"ارے یہ بھی کوئی بات ہے۔"

وہ میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے خوامخواہ فری ہونے لگا۔ یہ بھی بچپن کی عادت.... بلاوجہ چیکو ہونے کی۔

"ویسے بھی سعد کوئی اکلوتا بھائی تو ہے نہیں ہانی آپی کا.... میں بھی تو ہوں۔"

اس بری طرح اس کا ہاتھ میں نے اپنے کاندھے سے جھٹک کے اسے پرے دھکیلا کہ امی ہائیں.... ہائیں کرتی رہ گئیں۔

میرا سب تلملانا.... سارا احتجاج بے کار گیا جانا پڑا مجھے ابو اور ماموں کے ساتھ' سالار کا ناپ لینے.... اور وہ چیکو علی حسب عادت ساتھ ساتھ چپکا ہوا.... کسی کو احساس نہیں ہو رہا تھا کہ میرے دل پہ کیا گزر رہی ہے۔ جیسے جیسے وقت قریب آ رہا تھا میرا دل کٹ رہا تھا اور سب اس کاٹ پیٹ میں اس چیر پھاڑ میں اپنا اپنا حصہ ڈال رہے تھے۔

نہ چاہتے ہوئے بھی ڈیڑھ گھنٹے بعد میں سالار کے گھر میں اس کے سامنے تھا۔ نہ صرف ساتھ جانا بلکہ اس کا ناپ لینے کی منحوس ذمے داری بھی مجھے سونپی گئی' علی مزے سے بیٹھا چائے میں بسکٹ بھگو بھگو کے کھا رہا تھا۔ ماموں اور ابو' سالار کی اماں کو بور ترین خاندانی قصے سنا رہے تھے اور سالار.... وہ تن کے میرے سامنے کھڑا تھا.... دونوں بازو پھیلائے ایسا لگتا تھا جیسے وہ زندگی میں کبھی بھی نہیں مسکرایا تھا اور اگر کبھی مسکرانے کی زحمت کرے گا تو چہرے پہ یہاں سے وہاں شکنیں پھیل جائیں گی.... نہیں' بلکہ شکنیں بھی نہیں.... دراڑیں جیسے پتھر میں پڑتی ہیں۔

پتھر سے دل لگاتا تھا تمہیں ہنی.... خود جو پتھر ہو۔

"اب وہ والا بازو بھی آگے کریں سالار صاحب۔"

دل پہ پتھر رکھتے ہوئے میں نے کہا تو ابو نے فوراً" ٹوکا۔

"یہ سالار صاحب کیا ہوتا ہے۔ سالار بھائی کہو۔"

"بلکہ دولہا بھائی۔"

علی نے آٹھواں بسکٹ چائے میں بھگوتے کہا۔

"ابھی بنے کہاں ہیں یہ دولہا.... جب بنیں گے تو دیکھیں گے۔" میرے لہجے میں جو چیلنج تھا۔ شاید اسے صرف سالار نے ہی محسوس کیا۔ اس لیے اسی وقت پوچھ بھی لیا۔

"یہ چیلنج ہے.... یا وارننگ؟"

میں جواب دینے کے بجائے سرد نگاہ ڈال کے اب اس کی گردن کا ناپ لینے لگا اور جان بوجھ کے گردن کے گرد فیتہ ذرا کس دیا۔ سالار نے میرے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹائے۔

"رہنے دو.... تمہارے بس کی بات نہیں' بڑا حوصلہ چاہیے اس کے لیے۔"

"ناپ لینے کے لیے؟"

"نہیں میرے گریبان تک ہاتھ ڈالنے کے لیے۔"

اگرچہ بڑا کرارا جواب تھا میرے پاس.... پھر بھی ابو کی تنبیہہ بھری نظروں کا لحاظ کرتے میں چپ رہا۔

گھر واپسی پہ میری حاضری ہوئی دربار میں....

"بہت بدتمیز.... بدلحاظ اور زبان دراز ہو گئے ہو تم

۔ کتنی بے مقصد بکواس کی تم نے سالار کے سامنے اگر وہ مائنڈ کر جاتا تو؟"

"تو کیا کیوں نہیں؟"

میں نے تڑپ کے کہا۔ جس پہ مزید ڈانٹ پڑی۔

"شٹ اپ۔۔۔ نالائق۔۔۔ مذاق کا کوئی وقت ہوتا ہے اور یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ مذاق کس سے کیا جا رہا ہے۔ وہ ایک سوبر ڈیسنٹ اور سنجیدہ مزاج انسان ہے۔ خبردار جو تم آئندہ اس کے سامنے اوور ہوئے تو۔"

میں سر جھکائے جھاڑ کھاتا رہا۔ علی نے نمک مرچ لگا کے سارا قصہ سب کے سامنے دہرا دیا تھا۔ ایسا کیسے ہوتا کہ ہنی تک بات نہ پہنچتی۔ ابو سے جان بچا کر نکلا تو وہ راستہ روکے کھڑی تھی۔

"راستہ دو مجھے۔۔۔"

میں بے رخی سے کہہ رہا تھا۔ اس کا چہرہ کھلا پڑ رہا تھا۔ ذرا جو اس پہ میری ناراضی اور بے کلی کا اثر ہوا ہو ۔ وہ اپنی ہی خوشیوں میں مگن تھی۔۔۔ مسکراہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"اوہو۔۔۔ بڑی بے تابی ہے' لگتا ہے ببلی سے ملنے جا رہے ہو۔۔۔ بھی۔"

"یہ ببلی کہاں سے آگئی درمیان میں۔"

"تائی امی کہہ رہی تھیں اس دن۔۔۔ کہ تمہاری اور ببلی کی جوڑی۔۔۔"

"بکواس۔" میں دھاڑا۔

"اور اس ببلی کو تو میں جان سے مار دوں گا۔"

"بنو مت اب۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے۔ خود اس پہ مرتے ہو۔"

"اور مجھے لگتا ہے سالار کوئی بڑا ہی چھچھورا انسان ہے جو جس کی کمپنی میں تم بھی ویسی ہی ہو گئی ہو۔"

بس۔۔۔ سالار کا ذکر۔۔۔ وہ بھی اس انداز میں کرنے کی دیر تھی۔۔۔ وہ ہنستے سے اکھڑ گئی ساری مسکراہٹیں غائب۔

"کمال ہے۔۔۔ میں تمہاری بلاوجہ کی ناراضی ختم کرنے کے لیے تمہارے آگے پیچھے پھر رہی ہوں اور تم بدتمیزی کر رہے ہو۔۔۔ لڑنا تو مجھے چاہیے تم سے۔۔۔ پتا چل گیا ہے مجھے کہ تم سالار کے گھر میں ان سے بھی خاصی بدتمیزی کر کے آئے ہو۔"

"ہاں تو؟ کر کے آیا ہوں پھر۔۔۔"

"شرم کرو۔۔۔ بڑے ہیں وہ تم سے۔"

"پتا ہے۔۔۔ اور صرف مجھ سے ہی نہیں۔ تم سے بھی خاصے بڑے۔۔۔"

"سعد۔۔۔" وہ احتجاجاً چلائی۔

"ہٹو پرے۔" میں بدتمیزی سے اسے سامنے سے ہٹا کے نکل گیا۔

بڑے دادا کے کمرے میں ابو اور ماموں نجانے کیا مذاکرات کر رہے تھے۔ اوہ۔ ہاں۔ علی نے بتایا تو تھا۔

نیاز ماموں بڑے شوقین مزاج انسان تھے۔ ابو کے صرف سالے ہی نہیں۔۔۔ کزن اور بچپن کے دوست بھی تھے اس لیے بنا کسی جھجک کے ان سے فرمائش کر دی تھی۔

"رضوان بھائی۔۔۔ کوئی گانے بجانے کا بھی پروگرام رکھا ہے کہ نہیں؟"

"ہاں ہاں۔۔۔ کیوں نہیں مہندی تو سراسر زنانہ فنکشن ہے۔ ہم یہاں مردانے میں محفل غزل رکھیں گے۔۔۔ اور شادی والے دن بڑے مشہور قوال کو بلایا ہے۔"

"غزل؟۔۔۔ قوال؟" انہوں نے برا سامنہ بنایا۔

"ہاں۔۔۔ سالار کو بھی غزل کا کافی ذوق اور شغف ہے۔"

"رضوان بھائی۔۔۔ کچھ ہمارے ذوق اور پسند کا بھی خیال کر لیں۔" ابو سمجھ گئے کہ ماموں کی نیت کیا ہے۔

"یار۔۔۔ بٹی کا معاملہ ہے۔۔۔ بیٹے کی ہوگی تو سارے چاؤ پورے کر لیں گے۔۔۔ ابھی برا لگتا ہے۔"

"سعد تو ابھی بچہ ہے۔۔۔ اس کی شادی کے وقت ہماری عمر کہاں رہے گی رونق میلے کی۔۔۔ پلیز رضوان بھائی۔"

"یار نیاز۔۔۔ ایک تو تمہاری رنگین مزاجی جوں کی

تو ں... ٹھیک ہے دادا جی کو منالو۔"

"بھئی... دادا جی کے زمانے سے ہی تو چلا آرہا ہے یہ سب۔ سنا ہے ان کے وقتوں میں تو لکھنؤ اور بنگال سے رقاصائیں آیا کرتی تھیں۔"

اب سارا معاملہ سمجھ آیا۔ یہ دونوں اس وقت اس مشن پہ کام کر رہے تھے۔ میں سیدھا اندر گھسا اور میسنا سا بن کے بڑے دادا کے پیر دبانے لگا۔

"چلو... ہن بکو وی دیو۔"

میرے آنے پہ ابو جزبز ہو کے لحاظ اور شرما شرمی میں چپ کر گئے تھے جس پہ بڑے دادا نے ہنکارا بھرا... نیاز ماموں نے مدعا بیان کیا۔

"بس دادا جی... آپ سے ایک اجازت لینا تھی... خوشی کا موقع ہے... وہ بھی اتنے عرصے بعد کوئی ہلچل کوئی ہنگامہ... کوئی رونق ہونی چاہیے۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے کوئی کسر نہ چھوڑو... ایسے عالی شان طریقے سے شادی کرو ام ہانی کی کہ سارا زمانہ یاد کرے۔"

"جی... ضرور' ضرور ان شاء اللہ مگر ہم نہیں... نیاز چاہ رہا تھا کہ کچھ نیا... کچھ الگ ہو۔"

"تے فیر میٹوں مار دیو... کڑی دے ویاہ والے دن دادے دے قل رکھ لو... سب توں نئی گل۔"

بڑے دادا سے ہی تو لی تھی میں نے کڑواہٹ۔ ان کی بات پہ میں نے بڑی مشکل سے ہنسی روکی۔

"اللہ نہ کرے دادا جی۔ کیسی بدشگونی کی باتیں کر رہے ہیں۔ خدا آپ کو لمبی عمر دے۔ ہمارا مطلب تو تھا کوئی محفل میلہ کوئی... رونق کوئی ناچ گانا۔"

"ہاں تو میراثنیں بلالو۔" بڑے دادا کی پیشکش پہ نیاز ماموں منہ بنا کے بڑبڑائے۔

"اوں ہوں... اپنی دفعہ لکھنؤ اور بنگال... ہماری دفعہ میراثنیں۔"

"کوئی اسٹینڈرڈ ہونا چاہیے دادا جی... سنا ہے آپ کے زمانے میں مہندی کی رات مردانے میں محفلیں سجتی تھیں۔"

"اچھا... تے سدھی طراں بول کہ مجرا کرانا ہے۔"

ان کے صاف صاف کہنے پہ ابو میری موجودگی کی وجہ سے ذرا خجل سے ہو گئے... اور مجھے موقع مل گیا۔

"لاحول ولا بڑے دادا... آپ یہ سب ہونے دیں گے؟ یہ سب... یہ تو غیر شرعی اور غیر اسلامی کام ہیں۔"

"تم اتنے شرعی کب سے ہو گئے برخوردار؟" ابو کو میرے دخل اندازی کرنے پہ تاؤ آگیا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں... ان سب خرافات کی ضرورت کیا ہے۔ سادگی سے بھی تو ہو سکتا ہے سب کچھ... سنت کے مطابق نہ جہیز۔ نہ دکھاوا... مسجد میں شربت اور چھوہاروں پہ نکاح۔"

"پاگل ہو گئے ہو کیا لوگ کیا کہیں گے؟" ابو میری بے وقت کی راگنی پہ چیں بہ چیں ہوتے گئے۔

"آخر کمشنر آرہا ہے بارات لے کر۔ اسے مسجد میں بٹھا کے چھوہاروں پہ ٹرخا دیں گے تو دنیا کیا سوچے گی حویلی والوں کے بارے میں۔"

"لیجیے بڑے دادا... اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ' یہ شادی جہیز اور شوشا کے لیے کر رہے ہیں۔ اب آپ خود سوچیں ایسے لوگوں سے رشتہ جوڑنا ٹھیک ہے؟"

"سعد... یہ کیا بدمزگی پھیلا رہے ہو۔" ابو کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

"چپ کر رضوان... جھڑک نہ میرے سعد شہزادے کو' منڈا بالکل صحیح کہہ رہا ہے... اوئے نیاز رضوان پھڑو قلم' دوات تے کاغذ... لکھو میری وصیت۔"

"وصیت؟" ماموں بھونچکا رہ گئے۔

"آہو... وصیت نکاح مسجد میں ہو گا۔"

"دادا جی۔"

وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور میں زیادہ زور و شور سے ان کے پیر دبانے لگا... مل مل کے۔

"آہو... نہ ناچ گانا... نہ شور شرابا نہ جہیز... نہ مہندی بس شربت تے نکاح... تے چھوہارے ایہی ہے میری وصیت۔ ایسے ہی ہونا ہے ویاہ... میرے

سعد کا۔"

انہوں نے بات مکمل کر کے محبت سے مجھے دیکھا تو میں سٹ پٹا گیا۔ میرے ہاتھ ان کی پنڈلی پہ جم گئے۔

"مم... میرا؟"

"آہو... اپنے پڑپوتے کا۔ اپنے ولی عہد کا ویاہ میں ایسے ہی کروں گا جیسے وہ چاہتا ہے۔ چاہے دنیا کچھ بھی سوچے تسی لوگ ابھی کر لو اپنے شوق پورے سجا لو مجرے... بس میرے سعد کی شادی برکت والی ہو گی۔ سادگی نال۔"

☆ ☆ ☆

"شکل دیکھنے والی تھی سعد کی... لگتا ہے اسے اندازہ ہو گیا ہے کہ تائی امی، امی کے اور بیلی کے حوالے سے کیا سوچ رہی ہیں۔"

امہانی اپنے کمرے میں سالار سے فون پہ بات کر رہی تھی اور حسب سابق وہ سعد کے ذکر پہ الجھن سی محسوس کر رہا تھا۔

"قسم سے بھاگتا ہے وہ بیلی کو دیکھ کر۔"

"اور بھاگ کر کہاں جاتا ہے؟" سالار کے چبھتے ہوئے سوال کو وہ اپنی سادگی میں محسوس ہی نہ کر سکی اور اپنی دھن میں بولے گئی۔

"ویسے میں سوچ رہی تھی... کیسا لگے گا وہ دولہا بن کے؟"

"تمہیں نہیں لگتا اس وقت تمہیں اپنے ہونے والے دولہا کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"ہاں... وہ تو ہے... مگر سعد..."

"کیا تمہارے پاس سعد کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے کرنے کو۔"

بالآخر وہ تلخ ہو ہی گیا تو امہانی بھی سنبھل گئی۔

"کمال ہے سالار... میں نہیں بتاتی تو بھی آپ گلہ کرتے ہیں۔ بات کرتی ہوں تب بھی غصہ ہوتے ہیں۔ کیا شادی کے بعد بھی آپ یونہی بلاوجہ مجھے ڈانٹا کریں گے۔"

"ہاں... شاید اس سے بھی زیادہ۔" وہ سنجیدہ تھا۔

مگر ہانی نے اسے ہلکے پھلکے انداز میں لیا۔

"ارے... آپ مذاق بھی کر لیتے ہیں واہ۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں... ابھی دو تین دن ہیں سوچ لو۔" اب کے وہ سچ میں رونے والی ہو گئی۔

"پلیز... سالار ایسی باتیں نہ کریں۔ مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔"

"ابھی سے؟ اچھا سنو۔" اس نے فون میں سرگوشی کی۔

"گھبراہٹ حد سے بڑھ جائے تو کیا کرتی ہو؟" وہ چپ رہی تو خود ہی بولا۔

"روتی ہو؟"

"بس کریں ناں سالار... کیوں ڈرا رہے ہیں مجھے یہ کیا مذاق ہے بھلا۔"

دروازے کے قریب آنے پہ مجھے اس کی روہانسی آواز سنائی دی... میں نے دھڑ دھڑ دروازے پہ دستک دی۔

چند لمحے اندر خاموشی رہی تو میں نے بلند آواز میں کہا۔

"میں ہوں... دروازہ کھولو ہنی۔"

چند سیکنڈ بعد وہ بال جوڑے میں لپیٹتی چہرے پہ حیرت لیے دروازہ کھول رہی تھی اس نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر مڑ کے وال کلاک کو... جو رات کے دو بجا رہی تھی۔

"سعد؟"

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے ہنی۔"

"ابھی؟ مگر... صبح بات کرتے ہیں سعد... ابھی بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"دیر ہوئی نہیں ہے... لیکن اگر... میں نے کچھ نہ کہا تو واقعی بہت دیر ہو جائے گی" "ایسی بھی کیا بات ہے۔"

"تم یہ شادی کیوں کر رہی ہو ہنی؟ کیوں؟ کس لیے؟" میں نے لگی لپٹے بنا... بغیر کسی تمہید کے چھوٹتے ہی کہہ دیا۔

"سعد؟" وہ حیران کم ناراض زیادہ ہوئی۔

"سیریسلی ہنی۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے اس میں۔۔۔ میں ملا ہوں سالار سے۔۔۔ وہ کتنا بڑا ہے تم سے عمر میں اور بہت ہی سڑیل کھڑوس۔۔۔ ایک بار بھی ہنستے نہیں دیکھا میں نے اسے۔" میں ایک ایک کر کے اس کی خامیاں گنوانے لگا۔

"مجھے ہر وقت ہنسنے والے مرد پسند بھی نہیں ہیں" میں لمحہ بھر کے لیے چپ ہوا۔۔۔ پھر اس کے ہاتھ تھام کے کہا۔

"تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"کیا نہیں بتایا؟"

"یہی کہ تمہیں۔۔۔"

میں رک گیا۔۔۔ سخت بے بسی تھی کیسے سمجھاتا اسے کہ وہ ایک بار کہتی تو میں عمر بھر کے لیے ہنسنا بھول جاتا صرف اس کے لیے۔

"سعد۔۔۔ تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟" اس نے اپنے ہاتھ میرے ہاتھوں سے چھڑائے جس پہ میں بپھر گیا۔

"میرا مسئلہ یہ ہے کہ تم یہ شادی کیوں کر رہی ہو۔۔۔ مت کرو ہنی تم کیسے کر سکتی ہو میرے ساتھ ایسا۔۔۔ سالار کے ساتھ شادی کے بارے میں سوچتے ہوئے تمہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا؟ میرا۔۔۔ میری محبت کا۔۔۔ کبھی سوچا تم نے کہ میں تمہارے بغیر کیا کروں گا؟ کیسے سہ پاؤں گا۔۔۔ کیسے رہ پاؤں گا تمہارے بغیر۔"

وہ حیرت سے میرا چلانا۔۔۔ میری آنکھوں کا ڈبڈبانا دیکھتی رہی۔

"کیوں؟ کس لیے؟ کیا بنے گا میرا؟ کیسے رہوں گا میں تمہارے بغیر تم مجھے چھوڑ کے کیسے۔۔۔"

میں طیش میں ابل ابل کے چلا رہا تھا کہ ایک دم جھاگ کی طرح ٹھنڈا شانت ہو کے رہ گیا۔۔۔ اس کے دونوں ہاتھ میرے رخساروں پہ ٹھہر گئے تھے۔ میرا چہرہ ہاتھوں میں لیے وہ اب نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"اتنا چاہتے ہو مجھے؟" میں صرف اقرار میں گردن ہلا کے رہ گیا۔

"میں بھی تمہیں بہت پیار کرتی ہوں سعد۔۔۔ بہت زیادہ" میں ہوا میں اڑنے لگا۔۔۔ بنا پروں کے۔۔۔

"مگر جانا تو ہو گا ناں۔۔۔ نہیں رک سکتی۔"

"مگر کیوں۔۔۔" میں بڑی تکلیف میں کراہیا۔

"تم بچے نہیں ہو سعد۔۔۔ جو سمجھ نہ سکو۔ بھلا میں ساری عمر یہاں کیسے رہ سکتی ہوں۔" وہ جھنجلا اٹھی۔

"رہ سکتی ہو اور بچی تم بھی نہیں ہو ہنی۔ جو یہ نہ سمجھ سکو کہ کیسے رہ سکتی ہو۔"

شاید اب کے میرے لہجے میں کچھ تھا' جو وہ چونکی تھی۔ اس کے ہاتھ دھیرے سے میرے چہرے سے پھسل کے نیچے آگرے تھے۔ جو میں نے فوراً ہی دوبارہ تھام لیے تھے اور اب باقاعدہ گڑگڑا کر اس کی منت کرنے لگا تھا۔

"ہنی۔۔۔ پلیز۔۔۔ پلیز مت کرو تم یہ شادی' وہ شخص بالکل بھی تمہارے قابل نہیں ہے۔۔۔ تم جلد بازی میں فیصلہ کر رہی ہو۔ تمہیں اس سے کوئی محبت وحبت نہیں ہے۔۔۔ وہم ہے یہ تمہارا۔۔۔ منع کرو اس شادی سے' وہ جھنجلا اٹھی تھی۔ اور دوبارہ اپنے ہاتھ چھڑا کے دو قدم پیچھے ہٹی۔

"تم پاگل ہو گئے ہو سعد کیوں کر رہے ہو ایسی باتیں

اب میں خود کو مزید سمیٹ کے نہیں رکھ پا رہا تھا۔۔۔ رو اٹھا اس کے سامنے باقاعدہ آنسوؤں سے سسک سسک کے رو پڑا۔

"تمہیں کیوں نہیں سمجھ آتا کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ تم کیوں نہیں سمجھتیں۔"

وہ جو ناراض۔ اکھڑی اکھڑی سی دو قدم پرے ہٹ گئی تھی۔ میرے آنسوؤں پہ تڑپ اٹھی اور فوراً آگے بڑھ کے میرے آنسو صاف کرتے ہوئے خود بھی رو پڑی۔

"بدھو میں سب سمجھتی ہوں سب پتا ہے مجھے تم کیوں کر رہے ہو ایسا؟"

میں رونا بھول کے اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم نہیں چاہتے ناں کہ میں یہاں سے جاؤں تم

سے دور ہو جاؤں مگر سعد' سالار کے میری زندگی میں آنے کے بعد تمہاری حیثیت تو نہیں بدل جائے گی۔ تم' تم ہی رہو گے۔ میرے سب سے اچھے دوست.... میرے بچپن کے ساتھی۔ پلیز ایسا مت کہا کرو۔ سالار کے بارے میں مجھے تکلیف ہوتی ہے میں جانتی ہوں تم اسے اس لیے پسند نہیں کرتے کہ وہ تمہاری دوست کو تم سے دور لے کر جا رہا ہے مگر سعد یقین کرو اس سے شادی کے بعد بھی میں تم سے...."

اس نے مجھے مایوسی کے ایسے اندھے کنویں میں گرایا کہ دوبارہ نکلنے کی امید بھی کھو بیٹھا۔

"بس... بس ہنی تمہیں تو واقعی سب پتا ہے۔ تم تو سچ میں میرے دل کے حال سے واقف ہو۔"

روٹھ کے جانے کے لیے مڑا تھا میں... مگر ابھی دروازے کے قریب ہی پہنچا تھا کہ وہ دوڑ کے لپکی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

"نہ جاؤ سعد... یوں ناراض ہو کے تو نہیں' مجھے خوشی خوشی وداع کرو... میں تمہیں اداس نہیں کر سکتی۔"

میرے بازو اٹھے اور اس کے گرد مضبوطی سے حائل ہو گئے... میں نے اس کے کاندھے پہ سر رکھا اور سرگوشی کی۔

"اور میں تمہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

فضا میں بانسری کی لے گونجی... میں مزید کھو سا گیا۔ اور اس کی کمر کے گرد گرفت اور سخت کر دی۔ جیسے... جیسے اسے سب سے چھپا کے اپنے اندر سمونا چاہتا تھا... مگر میرے لمس میں... میری اسے 'خود میں سمونے کی شدت میں کچھ ایسا تھا کہ وہ کپکپا سی گئی... میں نے اس کی کپکپاہٹ اور تیز ہوتی دھڑکن کی گھبراہٹ کو اپنے ہر مسام میں پھوٹتے محسوس کیا... اگلے ہی لمحے وہ تڑپ کے مجھ سے الگ ہو چکی تھی۔ میں نے پھر سے اسے خود کے قریب کرنا چاہا۔ تو اس نے وحشت بھرے انداز میں میرے ہاتھ جھٹکے اور پرے ہٹ گئی۔

میں کسی خواب کے ٹوٹنے کے عالم میں اسے بے خود ہو کے دیکھ رہا تھا اور وہ... وہ ہراساں جیسے کسی ڈراؤنے خواب کے زیر اثر ہو۔ اچانک وہ پھر سے آگے بڑھی اور پوری قوت کے ساتھ مجھے ادھ کھلے دروازے سے باہر دھکیلنے لگی... میں اس وقت روئی کے ایک معمولی ذرے سے بھی کم وزن تھا... مزاحمت تک نہ کر پایا... اور یونہی لڑکھڑاتا۔ ڈگمگاتا باہر نکل گیا... اس نشے سے چور کیفیت میں اسے دیکھتا رہا... یہاں تک کہ دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔ پھر میں نے چٹخنی لگانے کی آواز سنی... اور بے جان قدموں کو گھسیٹتا اپنے کمرے میں آیا۔

میرے بیڈ پہ کچھ تھا۔ جس نے میرے دماغ سے وہ نشہ بھک سے اتار دیا۔ بہت سے شادی کے دعوت نامے جو شاید امی اس لیے رکھ گئی ہوں کہ میں اپنے دوستوں کو دے سکوں... میں نے ایک کارڈ اٹھایا سالار کا نام ام ہانی کے نام کے ساتھ لکھا دیکھ کے میرے اندر کئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں... میں نے وحشیانہ طریقے سے قلم پھیر کے اس نام کو سیاہی میں چھپایا... پھر اس پہ اپنا نام لکھنے لگا کہ شاید کچھ تسکین ملے... مگر' مگر میں... میں ان چنگاریوں کو اب بھانبڑ کر چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

ام ہانی اس طاؤسی تخت پہ اسی طرح سر جھکائے گم صم بیٹھی تھی جس کیفیت میں اس نے پوری رات کاٹ دی تھی۔ آس پاس کیا ہو رہا تھا... وہ اسے نظر آتے ہوئے بھی دکھ نہیں پا رہا تھا... اک شور برپا تھا' جو اس کی سماعتوں سے ٹکرا ضرور رہا تھا مگر وہ کچھ سن ہی نہ پا رہی تھی۔

"یہ سلمیٰ کہاں ہے؟ اسے کہا بھی تھا کہ ابٹن سویرے ہی گھول کر رکھ دے۔"

مہ پارہ پھوپھو کا واویلا۔

"اور یہ سعد... نجانے کیا دریافت ہو گیا ہے۔ اس کے کمرے میں یکایک کہ اب سارا سارا دن پوری پوری رات دروازہ بند کیے اندر مراقبہ کرتا رہتا ہے' بے چارہ علی ہی بھاگا پھر رہا ہے ہر کام کے لیے۔" یہ

نائلہ کا گلہ تھا۔

اور سعد کے نام پہ اس کی سماعتیں جھنجھنا اٹھیں۔۔۔ اس کے تصور میں گزشتہ رات کے وہ جان لیوا لمس پھر سے تازہ ہوئے اور وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔۔۔ آس پاس دیکھتے ہوئے ہڑبڑاہٹ کے عالم میں اب وہ اپنے حواس قابو میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

سلمٰی کو ڈرے ڈرے سہمے سہمے انداز میں اندر داخل ہوتے دیکھ کے مہ پارہ نے جیسے اپنی دو دھاری زبان سے ہی اس کی گردن دبوچ لی۔

"لو آگئی۔۔۔ سر پہ خاک ڈال کے۔"

"وہ۔۔۔ جی میں جی۔۔۔ میں ناں ذرا۔"

"بس بس کہانیاں نہ گھڑنا اب' سب پتا ہے۔ اسی کمہاروں کے لفنگے سپوت سے ملنے گئی ہوگی۔ بھابھی آپ اس کے دو بول پڑھوا کے رخصت کیوں نہیں کر دیتیں۔۔۔ چوبیس گھنٹے کی چوکیداری کون کرے۔"

"وہی کرتا تھا۔" نائلہ بھی اس چوکسی سے عاجز آگئی تھیں۔ مگر کیا کرتیں۔ سلمٰی نامراد کام کاج میں بڑی پھرتیلی تھی۔

"یہ ام ہانی کی شادی جو آگئی۔ اب ایسے موقعے پہ اسے بھی لال جوڑا پہنا کے بٹھا دیتی تو یہ سب کون کرتا۔"

"سن سلمٰی۔" مہ پارہ نے اب ذرا اس کو اپنی نصیحتوں سے مستفید کرنا چاہا۔

"چھوڑ دے یہ عشق بازیاں۔۔۔ یہ سب موسمی بخار ہوتا ہے۔ جوانی کی مستی۔ کوئی محبت پیار عشق کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ نری بکواس۔ یہ جو مرد ذات ہے ناں۔۔۔ جوانی آتے ہی جو سب سے پہلے نظر آئے' اسی پہ لٹو ہو جاتا ہے۔"

ام ہانی بڑے غور سے مہ پارہ کے تجزیے سن رہی تھی۔

"اسی لیے تو مرد عورت کو ملنے جلنے میں احتیاط بتلائی ہے۔ پرانے وقتوں میں یونہی تو لڑکی کو قد نکالتے ہی پردے میں نہیں بٹھا دیتے تھے۔۔۔ سگے والوں کی نظر تک نہیں پڑنے دیتے تھے کہ یہ آگ اور تیل کا میل ہے۔ لڑکے تو یوں بھی دل ہتھیلی پہ لیے پھرتے ہیں۔ ذرا چھوٹ ملی۔۔۔ ہو گئے فدا۔۔۔ جو قریب ہوا اسی کی جانب کھنچے اور نام رکھ دیا عشق ہونہہ۔" ہانی کے دل کو بڑی لگ رہی تھیں باتیں۔۔۔

"علی ذرا سعد کو تو نکالو کمرے سے" رضوان نے کتنے بہت سے کام سونپے تھے اسے آج مایوں ہے۔۔۔ سر پہ کھڑا ہے وقت۔"

"ابھی جگا کے آیا آنٹی۔۔۔" علی مستعدی دکھاتا فوراً" ہی میرے کمرے کے دروازے کو پیٹ رہا تھا۔

"نکل باہر سعد۔۔۔ کتنا کام پڑا ہے۔۔۔ سعد سن رہا ہے۔ انکل کا پارہ ہائی ہو رہا ہے۔" میں بے حس و حرکت بیڈ پہ چت پڑا ہے۔

"انکل بھی آ۔۔۔ اور ہاں وہ ڈی جے کو تو تو نے ہی لانا تھا۔ ہو گیا انتظام؟ تمہارے نیاز ماموں کی رگ موسیقی در قص پھڑک رہی ہے۔ بار بار پوچھ رہے ہیں ڈی جے کا۔" میں نے تکیہ کانوں پہ رکھ لیا۔

"سعد۔۔۔ سو رہا ہے یا مر گیا ہے؟ اٹھ جا۔۔۔ جا کے ڈی جے کو لا۔ میوزک ارینج منٹ ساری تیرے ذمے ڈالی تھی انکل نے۔" بھنا کے میں اٹھا اور وہی تکیہ دروازے پہ مار کے چلایا۔

"جاتا ہوں۔۔۔ بجواتا ہوں شادیانے۔"

جلتا کڑھتا میں کمرے سے نکلا۔۔۔ سامنے علی بتیسی نکالے کھڑا تھا جسے توڑنے کی اشد خواہش کو میں نے بڑی مشکل سے ٹالا اور اسے بدتمیزی سے سامنے سے ہٹاتے ہوئے سیڑھیاں اتر۔۔۔ یہ جا۔۔۔ وہ جا۔

اس منحوس پیلے دانتوں اور جامنی ہونٹوں والے ڈی جے کو لایا۔۔۔ اس نسواری رنگت اور بھورے بالوں والے مووی میکر کو لایا اور لائٹنگ۔۔۔ میوزک ارینج کرنے والے سب منحوسوں اور لعنتوں کو کام پہ لگا کے میں ان سے بھی دس گنا زیادہ منحوس اور لعنتی شکل بنا کے ایک طرف کھڑا تھا اور وہاں پہلی زنانہ پنڈال میں کمر پہ دوپٹا کس کے باندھے اپنے فن کے مظاہرے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

اور مردانہ حصے میں نیاز ماموں کی لاہور سے بلائی

رقاصائیں گھنگھرو باندھ رہی تھیں۔

"اللہ۔۔۔ مہ پارہ آنٹی۔۔۔ یہ میوزک کیوں نہیں آن ہو رہا۔۔۔ میں نے اتنا زبردست ڈانس تیار کیا ہے۔"

مہندی گھولتی سلمیٰ نے بھی حصہ ڈالا۔

"میں نے بھی گدا ڈالنا ہے۔ جی، مسرت شاہین کا گانا لگواؤں گی سعد صاحب سے۔"

وہاں بڑے دادا کی وہیل چیئر بھی مردانہ پنڈال میں دھکیل کے لائی جا رہی تھی۔ کیا نظارہ تھا۔۔۔ واہ واہ۔۔۔ دو دو ملازم وہیل چیئر کے ساتھ ساتھ۔۔۔ ایک نے ڈرپ تھام رکھی تھی۔۔۔ دوسرے نے یورین بیگ۔۔۔

"دادا جی۔۔۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں آپ کمرے میں آرام کرتے۔" ابو جز بز ہو رہے تھے۔

"وڈا سیانا۔" بڑے دادا مائنڈ کر گئے۔

"ناں تو اکیلا ہی موجیں کرے۔۔۔ ویسے بھی ایسی محفلوں میں کسی وڈے اور سیانے کا ہونا ضروری ہے، ورنہ ایسے ہلکی عمر کے منڈے شوخے اور ہوچھے ہو کے آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے علی کے پاس سے وہیل چیئر گزارتے ہوئے اس کی جانب اشارہ کیا، جو ہونقوں کی طرح منہ کھولے نارنجی شرارے والی رقاصہ کو دیکھ رہا تھا۔ نیاز ماموں بڑے دادا کے لیے گاؤ تکیے سیٹ کرنے لگے اور بڑے دادا چشمہ درست کرتے ہوئے نارنجی شرارے والی اور ہرے غرارے والی رقاصاؤں کا جائزہ لینے لگے اور پھر منہ بنا کے تبصرہ کیا۔

"بے سوادی۔۔۔ کون لایا ہے ان میراثنوں کو؟"

"نیاز دادا جی۔" ابو نے اکتاہٹ سے کہا۔۔۔ وہ ویسے ہی ان سارے کے حق میں نہیں تھے۔

"اس کھوتے کو کیا پتا۔۔۔ جرائیں خرید لے وہ ہی بڑی گل ہے۔"

"میوزک آن کرو جی۔"

نارنجی شرارے والی نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

پنڈال کے پرے میں ڈی جے کے پاس کھڑا سب سن رہا تھا۔

"کونسا گاؤں پہلے؟"

ڈی جے نے اپنے پیلے دانتوں اور جامنی ہونٹوں کا لشکارا مجھ پہ مارا تو میں فوراً" آگے بڑھا۔

"ہٹو پرے۔۔۔ میں لگاتا ہوں۔۔۔ خود۔"

اور جیب سے سی ڈی نکال کے لگائی۔۔۔ ماحول میں عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کی آواز گونجی۔

ہم تو تنکے چن رہے تھے آشیانے کے لیے
آپ سے کس نے کہا۔۔۔ بجلی گرانے کے لیے

نیچے جھک کے گھنگھرو باندھتی نارنجی شرارے والی تڑپ کے سیدھی ہوئی۔۔۔ باقی سب بھی ہڑبڑا اٹھے ہوں گے۔

ہاتھ تھک جائیں گے کیوں پیس رہے ہو مہندی

عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کی تنبیہہ پہ مہندی کے تھال میں موم بتیاں لگاتی سلمیٰ چونک کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

خون حاضر ہے ہتھیلی پہ لگانے کے لیے

بلی اور اس کی شوخی سہیلیاں جو کمر پہ دوپٹے کسے لڈی ڈالنے کے لیے تیار تھیں۔۔۔ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ اب خیلوی صاحب پورے جوش میں آ گئے۔

ادھر زندگی کا جنازہ اٹھے گا
ادھر زندگی ان کی دلہن بنے گی

ام ہانی نے بھی گوٹے سے لپا پیلا دوپٹا فٹ الٹ دیا۔

میری موت پریوں کے جھرمٹ میں ہو گی
جنازہ حسینوں کے کاندھے پہ ہو گا

اور خیلوی صاحب کی دردناک آواز پہ خالہ بتول نے سینے پہ دوہتڑ مارے۔

"بیڑہ ترجائے۔۔۔ شگناں والے گھر جنازے؟"

کفن مرا ہو گا۔۔۔ انہی کا دوپٹہ۔۔۔
بڑی دھوم سے میری میت اٹھے گی

اور گیت کے ان بولوں نے تو بڑے دادا کو وہیل چیئر سے ہی اٹھا دیا ابو لپکے۔

"دادا جی۔۔۔ نیاز علی ان کو پکڑو۔"

"مہنداں گائیں... ایدی نے۔"

وہ لڑکھڑاتے ہوئے غصے میں بپھرے نیاز ماموں اور علی کے سہارے شاید میری ہی تلاش میں نکلے تھے اور میں لان کے پچھلے تاریک گوشے میں فوارے کے سنگی چبوترے پہ لیٹا بازو آنکھوں پہ موڑ کے رکھے 'خملوی صاحب' کے دکھ میں برابر کا شریک تھا یا شاید وہ میرے دکھ کو اپنے دل پہ لے گئے تھے۔

ادھر میرے ارمان کفن پہن لیں گے
ادھر ان کے ہاتھوں پہ مہندی لگے گی

ادھر میں نے ایک دردناک سرد آہ بھری۔ ادھر میرے سر پہ بڑے دادا کی چپل زوردار طریقے سے رسید ہوئی۔

"نا ہنجار... بے غیرت۔" میں ہڑبڑا کے کھڑا ہوا۔ ابو بھی غصے میں تھے۔

"یہ کیا شرارت ہے سعد... حد ہے بدتمیزی کی۔"

"شرارت... نیستی گاتے لگا کے پھوڑی والا ماحول بنا دیا۔"

وہ اب چھڑی سے مجھے پیٹ رہے تھے اور میں خود کو بچانے کی کوشش کرتا یہاں وہاں کود رہا تھا۔

"بڑے دادا... ہائے بڑے دادا۔" اور خملوی صاحب کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔

ادھر میرے دل پہ خنجر چلیں گے
ادھر ان کے ماتھے پہ بندیا سجے گی

مارتے مارتے اب بڑے دادا ہانپنے لگے تھے... نیاز ماموں نے ہی آگے بڑھ کے ان سے چپل اور چھڑی کے ہتھیار لیے۔

"دادا جی... بس کریں آپ کی طبیعت..." اور طبیعت کا یاد دلاتے ہی بڑے دادا غش کھا کے نیاز ماموں کے بازوؤں میں جھول گئے... ایک ہاتھ سینے پہ رکھ کے۔

اب ابو کے بھی ہاتھ پاؤں پھولے ورنہ اب تک وہ مزے سے میری خاطر تواضع کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

"دادا جی... ارے سعد منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جلدی جاؤ... ڈاکٹر کو بلا کے لاؤ۔"

"میں؟" میں نے چوٹیں سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے ہی دادا جی کی یہ حالت ہوئی ہے... جاؤ جلدی کرو' پتا نہیں اتنی رات کو ڈاکٹر ملتا بھی ہے یا نہیں۔" میں بھاگا... بھاگتے بھاگتے بڑے دادا کی آواز سنی۔

"اوئے... میں نئیں بچنا..."

"یا اللہ... بچ جائیں بڑے دادا... جہاں اتنے سالوں سے بچتے آرہے ہیں اس بار بھی بچالیں اللہ میاں... ورنہ سارا ملبہ میرے اوپر گرنا ہے۔"

دعائیں مانگتے میں نے جیپ اسٹارٹ کی... مگر رہ رہ کے بڑے دادا کا فق ہوتا چہرہ... سینے پہ رکھا ہاتھ... ایک جانب کو جھولتا بدن اور ان کی کپکپاتی آواز تصور میں آرہی تھی۔

"اوئے... میں نئیں بچنا..."

اور میں جیپ کی اسپیڈ اور بڑھا دیتا۔ پھر اچانک... پتا نہیں کہاں سے دو تین دن پہلے والی بڑے دادا کی بات یاد آگئی۔

"تے فیر میتوں مار دیو کڑی دے ویاہ والے دن اودھے وادا وے قل رکھ لو۔"

میرے پاؤں بے اختیار بریک پہ جا پڑے تھے۔

ایک زبردست چرچراہٹ کے بعد اب مکمل سناٹا۔ بس دور سے جھینگروں کے ٹرانے کی... یا گیدڑوں کی آواز... اور اس سنسان ویران سڑک پہ جیپ روکے میں اپنے اندر اٹھنے والے مکروہ خیالات سے لڑ رہا تھا۔

"نہیں نہیں... بڑے دادا کے بارے میں میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہوں... ڈوب کے مر جا سعد۔"

میں نے بڑی لعنت ملامت بھی کی خود کو... مگر بے سود میرے اندر کا خبیث جیت گیا... میں نے اسٹیرنگ سے ہاتھ ہٹائے جیب سے فون نکال کے آف کیا اور مزے سے سیٹ سے ٹیک لگا کے آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

ام ہانی نے آہستگی سے ہینڈل گھمایا۔ رات کے

سناٹے میں دروازہ کھلنے کی بڑی ہلکی سی آواز بھی بہت زیادہ محسوس ہوئی۔ لائٹس پہلے سے آن تھیں۔ ایک ہی نظر میں ساری بے ترتیبی ظاہر ہو رہی تھی۔ جو ام ہانی کے لیے بڑی جانی پہچانی تھی۔ بکھرے کپڑے۔۔۔ جو گر نہ۔۔۔ جرابیں۔۔۔ کتابیں ڈی وی ڈیز۔۔۔

اس کے پیروں میں ایک میلی ٹی شرٹ آئی' جو جھک کے اٹھاتے ہوئے جیب میں کچھ غیر مانوس سا وزن محسوس ہوا۔ نکال کے دیکھا تو یہ وہی چکنا سرمئی پتھر تھا۔ جیسا پتھر وہ دونوں کھیلتے ہوئے استعمال کرتے تھے اور ہر بار چاک سے بنائے گھیرے کے اندر کھڑے ہوئے جب یہ اس پتھر کو چوم کے آنکھیں بند کر کے پیچھے اچھالتی تھی تو ہر بار وہ پتھر غائب ہو تا تھا۔

الجھے ہوئے انداز میں وہ اس پتھر کو ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے رک گئی۔ کچھ سوچ کے دراز میں رکھنے لگی۔ مگر جیسے ہی دراز کھولا وہاں اس جیسے درجنوں پتھر دیکھ کے دنگ رہ گئی اور ان بہت سے چکنے سرمئی پتھروں کے درمیان اس ٹوٹی ہوئی سیاہ چوڑی کا ایک ٹکڑا اور کچھ بھی تھا ان پتھروں تلے دبا ہوا۔ ام ہانی نے نکال کے دیکھا۔ وہ اس کی اور سالار کی شادی کا کارڈ تھا۔ مگر سالار کا نام بڑی بے دردی سے کاٹا گیا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ اس پہ سعد کا نام۔۔۔

ام ہانی نے وہ کارڈ گھبرا کے ایسے دراز میں پھینکا جیسے دہکتا انگارہ چھو لیا ہو۔ اس کے ذہن میں کوئی دنوں سے ڈنگ مارے اور کلبلاتے سوالوں کو جیسے ایک ایک کر کے جواب ملتے گئے۔

"کیونکہ میں دوست نہیں ہوں۔"

"مگر تم مجھے نہیں ملیں۔"

"اس وقت تمہاری آواز سن لینا ایسا ہی ہے جیسے گرمیوں کے روزے میں مغرب کی اذان سننا۔"

"تم سامنے ہو۔۔۔ مگر ساتھ نہیں۔۔۔ ساتھ ہونے اور سامنے ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"شادی کے بعد یہ نام یہاں لکھے دیکھ کے ہمیں کیسا لگے گا؟"

"تمہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا؟"

"میرا نہیں سوچا تم نے۔"

"میں کیسے رہوں گا تمہارے بغیر۔" یہ سب جواب کھلتے ہی وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے سسک پڑی۔ اس کی سسکیاں تب تک ویران کمرے میں گونجتی رہیں جب تک کھلی کھڑکی سے آنے والی بانسری کی صدا ان پر غالب نہ ہوئی۔

وہ دم سادھے چند لمحے بانسری سنتی رہی۔ سسکیاں اگرچہ تھم چکی تھیں۔ مگر آنسوؤں پہ بند نہیں باندھا جا رہا تھا۔

"کیوں سعد۔۔۔ کیوں۔۔۔ اب میں کیا کروں تمہارا۔۔۔ بدھو کیسے تمہیں۔۔۔" وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

☆ ☆ ☆

پتا نہیں کب یوں ہی جیپ میں بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔

اذان کی آواز پہ میں ہڑبڑا کے اٹھا۔ جیب سے فون نکال کے دیکھا تو لاتعداد میسجز تھے۔ ان گنت مسڈ کالز۔۔۔ میں نے جلدی سے جیپ اسٹارٹ کی اور ذہن میں وہ سب بکواس قصے دہرانے لگا جو مجھے وہاں جا کے بیان کرنے تھے۔

"جیپ کی خرابی۔۔۔؟"

"راستہ بھٹک جانا۔"

"ڈاکٹر کا نہ ملنا۔"

جیپ خراب ہونے کا بہانہ سب سے موثر لگا اور وہاں بڑے دادا کے کمرے میں ابو ان کو دوا کھلانے کی مسلسل کوشش کر رہے تھے اور وہ مسلسل مزاحمت۔۔۔

"رضوان۔۔۔ رہن دے دوائیاں۔۔۔ میں ہن نئیں بچنا۔۔۔ او دیکھ سامنے دروازے تے۔۔۔ میرے ابا جی کھڑے تے فرشتاں نال۔۔۔ مینوں لینے آئے ہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں دادا جی۔۔۔ کوئی بھی نہیں ہے دروازے پہ۔"

"چاچا جی۔۔۔ فرشتے اکیلے آتے ہیں۔" خالہ بتول نے بھی تسلی دی۔

"آپ کو اپنے ابا جی کا بلیکھا (مغالطہ) لگ رہا ہے۔ غور سے دیکھیں' دو فرشتے ہوں گے۔"

"رضوان بھائی صاحب وہ بزرگ ہیں۔ ان کو زیادہ پتا ہے ان باتوں کا۔ ہم لوگوں کو تھوڑا ہی نظر آئیں گے فرشتے۔ سنا ہے جن کا وقت آجاتا ہے ان کو نظر آجاتے ہیں۔"

مہ پارہ پھپھو کے لہجے میں امید اور آس کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

فرشتے۔۔۔ موت۔۔۔ آخری وقت۔۔۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یہ الفاظ میرے کانوں میں پڑے اور میں نے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلیا۔

"بڑے دادا۔۔۔" غمگین سی صدا لگاتے میں نے انٹری دی جہاں ابو اب بڑے دادا کے منہ سے زبردستی سیرپ بھرا چمچہ لگاتے کہہ رہے تھے۔

"او ہو دادا جی! کچھ نہیں ہوا آپ کو' سنا نہیں؟ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ ہارٹ اٹیک نہیں ہے' گیس ٹربل ہے۔ اب ٹھیک ہیں آپ۔" میں مایوس ہوگیا۔

"ٹھیک ہیں اب؟" مرے مرے انداز میں' میں نے کہا اور ابو پلٹ کے مجھے گھورتے ہوئے ڈانٹنے لگے۔

"اور تم اب آرہے ہو۔۔۔ رات پونے دو کے نکلے صبح کے پانچ بجے شکل دکھا رہے ہو۔ کیا مریخ پہ چلے گئے تھے ڈاکٹر کو لینے۔۔۔ اور فون بھی بند۔۔۔"

"وہ۔۔۔ دراصل۔۔۔ جیپ خراب۔۔۔ فون کی بیٹری۔" سارے رٹے لگائے بہانے ٹھس ہوگئے۔

"بڑے دادا واقعی ٹھیک ہوگئے۔" آخری امید کے طور پہ میں نے پوچھنا چاہا۔

"ہاں۔۔۔ وہ تو شکر ہے علی بھاگ کے ڈاکٹر کو لے آیا۔۔۔ اب واپس چھوڑنے بھی گیا ہے۔۔۔ بڑا اچھا بچہ ہے۔"

"اس اچھے بچے کی تو میں۔۔۔" میں نے دانت کچکچائے۔

"سوچو۔۔۔ چاچا جی نکے جاتے تو شادی تو کھوہ میں چلی جاتی۔" خالہ بتول کی بات پہ ابو نے ناگواری سے ٹوکا۔

"اللہ نہ کرے۔۔۔ اللہ دادا جی کو لمبی عمر دے۔"

"پھر بھی کتنی لمبی آخر۔۔۔" مہ پارہ پھوپھو کی بڑبڑاہٹ تھی۔

"کوئی نئیں۔۔۔ میں نئیں بچنا ہن۔" بڑے دادا کا وہی واویلا۔۔۔ وہی دہائی۔

"ہائے ہائے چاچا جی۔۔۔ جہاں نوے سال گزار لیے۔۔۔ چار دن ہور نکال لو۔۔۔ ویاہ تے ہون دیو خیر نال۔"

"آپ خالہ بتول کی باتوں کو دل پہ نہ لیں دادا جی۔" ابو نے بڑے دادا کا ہاتھ محبت سے ہلایا۔

"آپ نے تو ابھی سعد کی بھی شادی کرنی ہے۔ اس کے بچے بھی کھلانے ہیں۔"

"چلو۔۔۔ اور سنو۔" مہ پارہ پھوپھو نے کڑوا زہر منہ بنایا۔

"اور ہاں دادا جی۔۔۔ آپ کو اس سال حج پہ بھی تو لے جانا ہے۔" ابو نے انہیں زندہ رہنے کے مزید لالچ دیے۔

"ہلے ایہہ وی۔۔۔ مجرا ہونا ہے آج کہ وہ لاہور والیاں واپس چلی گئیں۔۔۔ ہائے۔۔۔ میں تے کج ویکھا ہی نئیں۔" بڑے دادا کی دہائی پہ خالہ بتول نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"لو کرلو گل۔۔۔ تسی کرالو چاچا جی کو حج۔۔۔"

"میں چھوڑ آیا ڈاکٹر کو۔" علی نے اندر داخل ہوتے ہوئے فخریہ اعلان کیا۔ جس پہ میں نے اس بری طرح اسے گھورا کہ وہ گھبرا اٹھا۔

"کیا ہوا سعدی۔"

"ذرا تو باہر چل۔۔۔ میں بتاتا ہوں کہ کیا ہوا۔" دانت پیستے ہوئے میں نے کہا اور اس کے گلے میں بازو ڈالتا اسے باقاعدہ گھسیٹتے ہوئے باہر لے گیا۔ برآمدے میں لے جاکے اس کی گردن کے گرد اس کے بازو کا حلقہ تنگ کرتے ہوئے دے لگائی اس کی گدی پہ دھپا دھپ۔

"ارے سعد۔۔۔ کیوں پیٹ رہا ہے مجھے۔۔۔ ارے

چھوٹ... بول تو سہی... ارے... نہ مار... "میں نے اسے دیوار کے ساتھ لگایا اور اب دے گھونسے پہ گھونسا اس کے مکا سے پیٹ پہ۔

"بڑی جلدی ہوئی ہے نا تجھے ہر بات کی... بڑی آگ ہوئی ہے نمبر بنانے کی۔" اس کا اچھی طرح بھرتہ بنانے کے بعد میں پسینہ پونچھتا ہال سے گزر رہا تھا۔ جب امی اور ابو کو خود پہ ہی تجزیے کرتے سنا۔

"سعد اپنی عجیب و غریب حرکتوں کی وجہ سے دن بہ دن مجھے پریشان کرتا جا رہا ہے۔"

"صحیح کہہ رہے ہیں... پتا نہیں کب بڑا ہوگا... اور ادھر میں اس کی شادی کی بات چلانے کا سوچ بیٹھی تھی۔"

"کیا... سعد کی شادی... تم پاگل ہوگئی ہو نائلہ... اس کی عمر تو دیکھو... انیس سال کے بچے کی شادی ہوتی ہے کیا۔"

مجھے ابو کی اس بات پہ تاؤ آگیا۔ انیس سال کی عمر میں کیا میں فیڈر لیتا ہوں ابھی تک۔

"اوفوہ... شادی کہاں... صرف رشتے کی بات..."

"دم بھی نہیں... یہ کوئی مناسب وقت نہیں ہے... پڑھائی کے دوران ایسے سلسلوں سے بچوں کا ذہن ڈسٹرب ہوتا ہے۔" پیر پٹختا میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"ذمے داریوں کے بنڈل میرے سر پہ ڈالتے ہوئے میری کم عمری نہیں نظر آتی۔ شادی کی بات پہ آجاتی ہے۔"

ہال میں اب وہی شور شرابا پھر سے شروع ہو چکا تھا۔ ڈھولک... ڈانس کی پریکٹس... شادی کے گیت...

میں نے دروازہ بند کردیا... کھڑکی کے پاس آکے نیچے جھانکا۔ لان میں رات ہونے والے فنکشن کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔ کرسیاں لگ رہی تھیں۔ شادیانے... مہندی کا فنکشن کل رات ہونے والے مایوں کی تقریب سے ذرا بڑے پیمانے پہ ہو رہا تھا۔

"سعد صاحب..." سلمیٰ حسب عادت بنا دستک دیے اندر داخل ہوئی۔ میرا موڈ اتنا خراب تھا کہ اسے ڈانٹنے تک کو جی نہ چاہا... میں ماتھے پہ بل لیے اسے دیکھتا رہا۔

"سعد صاحب... وہ آپ کو..."

"مجھے نہیں آنا... جو بھی بلا رہا ہے اسے کہو سعد سو رہا ہے... تین دن تک اٹھے گا۔" اس کی بات کاٹ کر میں نے کہا۔

"اچھا جی..." وہ حیرت سے کہتی مڑی۔

"میں کہہ دیتی ہوں ہانی بی بی سے..." میں چونکا۔

"ایک منٹ... ایک منٹ... ہنی بلا رہی ہے؟"

"ہاں جی..." یہ سنتے ہی میں پاگلوں کی طرح باہر بھاگا۔ یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ کہاں ہو سکتی ہے۔ وہ سوائے اس جگہ اور ہو بھی کہاں سکتی تھی۔ میں یوں ہی سرپٹ بھاگتا کھنڈر میں چلا آیا۔

وہ وہیں تھی۔

بے حد سنجیدہ۔

کچھ کچھ رنجیدہ۔

اسے دیکھ کے میں رکا۔ سانس ہموار کرنے کی کوشش کی مگر وہ دھڑکنوں کی طرح قابو میں نہ تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا... ہزار ہا خوش فہمیوں سے دامن بھرتا میں اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"یہ کیا ہے سعد..." اس نے شادی کارڈ میرے سامنے کیا۔ جس پہ سالار کی جگہ میرا نام لکھا نظر آرہا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس بھری، سکون کی، سر سے ایک بوجھ کے اتر جانے کی... یعنی جو بات میں اسے اتنے دنوں سے سمجھانا چاہ رہا تھا، جتلانا چاہ رہا تھا وہ خود بخود جان گئی۔

"میری خواہش ہے... اور کیا؟"

"تمہیں شرم نہیں آتی ایسی فضول بات کرتے۔"

اس کے غصے سے کہنے پہ میں نے چاروں جانب کھنڈر کی دیواروں پہ لکھے اپنے اور اس کے نام کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ دیکھو... ہر جانب تمہارا اور میرا نام لکھا ہے... کئی بار تو تم نے خود لکھا ہے... پھر یہاں کیوں نہیں؟"

"یہ نام میں نے دوستی کے نام پہ لکھے تھے' مگر اب تم میرے وہ دوست نہیں ہو... تم بالکل کوئی اجنبی ہو... تم کوئی اور ہی ہو سعد۔" اس کے لہجے میں تاسف دیکھ کے میں بھی دکھی ہو گیا۔ "کیا محبت کرنا غلط ہے ہنی؟"

"اس قسم کی محبت غلط ہے۔"

"کس قسم کی؟"

"دیکھو سعد... اگر تمہارے آس پاس میرے سوائے اور کوئی لڑکی نہیں بھی تھی... تب بھی اس ایڈونچر کے لیے تمہیں اپنے اور میرے تعلق کا نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ عمر کا یہ حصہ خطرناک ضرور ہوتا ہے' مگر ایسا بھی بے لگام نہیں... کہ انسان رشتوں کا لحاظ کھو دے۔" اس کے نصیحت کرنے پہ میں تڑپ اٹھا۔

"کون سے رشتے کا لحاظ... کون سی خالہ... تائی یا پھوپھی لگتی ہو تم میری... بولو..." میرے چلانے پہ اس کے چہرے پہ افسوس مزید گہرا ہوا

"تم واقعی وہ سعد نہیں ہو... تم بالکل کوئی اجنبی ہو... اور میں اجنبیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔" کے لیے مڑی۔

مگر میں اسے ایسے جانے کیسے دے سکتا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کے روک لیا۔

"آخر میرا قصور کیا ہے ہنی... تمہیں چاہنا... تم کیسے کہہ سکتی ہو صرف اپنی عمر کے تقاضے کے مطابق میں تمہاری جانب کھنچ رہا ہوں۔ جسے تم جوانی کا ابال سمجھ رہی ہو وہ تو بچپن سے کسی سائے کی طرح میرے ساتھ ہے۔" اور مجھ سے ہاتھ چھڑانے کی مسلسل کوشش کرتی ہنی یہ سن کے حیرت سے ٹھنڈی پڑ گئی۔

"بچپن سے..."

"بچپن کے جذبات میں تو کھوٹ نہیں ہوتا ہنی... تب تو دل ہر بے ایمانی... برائی اور ہوس سے پاک ہوتا ہے... میں بچپن سے تمہیں یوں ہی چاہتا آرہا ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس لی... اب وہ ہاتھ چھڑانے کی مزاحمت ترک کر چکی تھی۔

"سعد... میں بھی تمہیں بچپن سے چاہتی ہوں... لیکن خدا کے لیے اس چاہت کو بچپن کی چاہت ہی رہنے دو... اس پہ نئے نئے لیبل مت لگاؤ... کیوں اس رشتے کو خراب کر رہے ہو... وعدہ کرو... آئندہ یہ بات نہیں کرو گے۔" اس کے یوں مجھے بچہ جان کے پچکارنے پہ میں ہمیشہ کی طرح ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"کیوں نہ کروں... ہمارے درمیان اگر کچھ ہے تو بس یہ ہی ہے... ورنہ کچھ نہیں... آئی لو یو... سنا تم نے... آئی لو یو..." اس کی نظروں میں چنگاریاں سی ہوئیں... پھر وہ میرا ہاتھ کھینچ کے ایک جانب لے جانے لگی... مغربی ٹوٹی دیوار کے اس جانب کھائی تھی۔ گہری کھائی... وہاں پہ جا کے وہ رکی۔

"اب بولو... کیا کہہ رہے تھے تم؟"

"آئی لو یو۔" کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت کے عالم میں... میں نے وہ الفاظ دہرا دیے۔

"اونچی... اور اونچی..."

"آئی لو یو..." میں پوری طاقت کے ساتھ چلایا... اور میری آواز کی بازگشت کھائی میں گونج کے رہ گئی۔

"تمہارے یہ تین الفاظ... ان بوسیدہ دیواروں سے ٹکرا کے اس کھائی میں گر چکے ہیں۔ ان کی اتنی ہی اوقات تھی۔" میں آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ اسے جاتا دیکھتا رہا اور پھر کھائی میں جھانکا... شاید وہیں کہیں گری تھی میرے دل کی وہ بات جو کب سے سنبھالے بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ بالکل کھائی میں گرے ان لفظوں کی طرح۔ وقت سے رات کاٹی تھی۔ اب دن نہیں کٹ رہا تھا۔ لان کے ایک کونے میں کھڑا میں بھسم کر دینے والی نظروں سے رات ہونے والے فنکشن کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ابو کی سخت ترین لعنت ملامت پہ میں پانچ بجے کمرے سے نکل ہی آیا۔

"سعد... تم کیا مہمانوں کی طرح کونے میں کھڑے ہو... لڑکے والے راستے میں ہیں۔" نیاز ماموں نے پاس سے گزرتے ہوئے ٹوکا۔

"تمہاری بہن کے سسرال والے ہیں... تمہیں ان کے استقبال کے لیے آگے آگے ہونا چاہیے۔" ان کے "بہن" کہنے پہ میں تڑپ ہی تو اٹھا... مگر وہ میری تلملاہٹ دیکھے بغیر آگے جا چکے تھے۔ سر جھٹک کے میں نے دھیان دوسری جانب لگانا چاہا... علی مووی میکر کو ہدایات دینے میں مصروف تھا۔

"اب سب سمجھ لیا... ماہ پارہ پھوپھو یہ بار بار کیمرہ لانا ہے، ورنہ وہ مائنڈ کر جائیں گی۔ نائلہ آنٹی نے منع کیا ہے کہ ان کے کلوز اپ نہیں لینے... ان کی ڈبل چن... اور ہاں..." لپک کے وہ میرے پاس آیا اور بڑا دوستانہ گانٹھتے ہوئے میرے کاندھے پہ بازو رکھ لیا۔

"ہم دونوں کی بھی مووی زیادہ بنانی ہے۔ آخر ہم دلہن کے بھائی ہیں۔" میں نے اس بے دردی سے اس کا بازو جھٹکا کہ وہ خود بھی ایک جانب گرتے گرتے بچا۔

"ارے کیا ہوا؟ ناراض کیوں ہو رہا ہے؟ اچھا یار... میں نہیں ہوں بھائی... تو ہی ہے اکلوتا بھائی... بس خوش..." اب کے میں نے اس کا گریبان پکڑ کے گھونسا تان لیا۔

"کیا کر رہا ہے؟" اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ میں نے بھی یہاں وہاں دیکھا۔ ہر کوئی اس طرف متوجہ ہو رہا تھا۔ بالآخر میں نے اس کا گریبان چھوڑا۔

"سن... تو پرسوں کی گیم ہارا تھا... یاد ہے؟"

"ہاں... یاد ہے۔" مرے مرے لہجے میں اس نے کہا۔ "اور تو نے کہا تھا ہارنے والے کو جیتنے والے کی بات ماننا ہوگی... اب بھونک۔"

"وہی کرنے والا ہوں۔" میں خباثت سے مسکرایا اور سامنے سے آتے مہمانوں کی جانب اشارہ کیا۔ "وہ جو نیلے دوپٹے والی ہے نا... اسے چھیڑ..."

"مروائے گا کیا؟" وہ بدک اٹھا۔

"وہ تو لڑکے والوں کی طرف سے ہے۔"

"تو بے غیرت... کیا اپنی طرف کی بچیوں کو چھیڑے گا؟ شرط تو ایسے ہی پوری ہوگی۔ دولہے والوں کی طرف سے آئی لڑکی کو ہی چھیڑنا ہوگا۔"

"پاگل ہے کیا؟ لینے کے دینے پڑ جائیں گے' اگر کوئی بدمزگی ہو گئی تو۔" اس کے خدشے پہ میری آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔

"ہونے دو۔" میں نے اپنے جوش کو دباتے ہوئے کہا۔

"لو۔۔۔ دولہا والے سب آ گئے۔" علی سامنے دیکھتے اور ہاتھوں کے توتے اڑاتے بولا۔

"میں نہیں کرنے والا یہ فضول کام۔۔۔ چاہے تو کتنا بھی مار لے۔۔۔" وہ کورا سا جواب دے کر میرے نئے منصوبے پہ پانی پھیرتا چلا گیا اور میں مایوسی سے کچھ اور پلان کرنے پہ غور کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

وہ مہندی کے سبز لہنگے میں ملبوس سر جھکائے کلائی کی پیلی چوڑیوں کو سہلاتی اسی بازگشت کے سحر میں تھی۔

"آئی لو یو ہنی۔۔۔ آئی لو یو۔۔۔" ہر بار یہ الفاظ اسے نئے سرے سے ایک اذیت میں مبتلا کر دیتے تھے۔ تب ہی تکلیف سے کروٹ لی اور سالار کی فون کال کے روپ میں نیا کچھو کاٹنے آئی۔

"میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہوتا ام ہانی کہ میں بار بار تمہیں فون یا میسج کروں۔۔۔ اور اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ مجھے تم سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" وہ شدید غصے میں تھا۔

"تم نے کل رات اچانک فون بند کیا۔ اس کے بعد میری کوئی کال پک نہیں کی۔"

"وہ میں کچھ بزی رہی۔"

"ساری رات۔۔۔ سارا دن۔۔۔" اس نے چبھتے لہجے میں پوچھا تو وہ کچھ بول نہ سکی۔

"میسج کا ریپلائی کرنے کا بھی وقت نہیں تھا یا ضرورت نہیں سمجھی۔" "دراصل میں کچھ اپ سیٹ تھی۔" اتنا کہہ کر وہ خود ڈر گئی کہ اگر سالار نے اس پریشانی کی وجہ پوچھ لی تو کیا کہے گی۔ مگر اسے توفیق نہ ہوئی۔ الٹا بگڑ گیا۔

"تم اپ سیٹ ہو۔۔۔ یا کچھ بھی۔۔۔ قیامت ہی کیوں نہ ٹوٹ رہی ہو تم پہ۔۔۔ تم مجھے نظرانداز نہیں کر سکتیں ام ہانی۔" اس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔

"تم نہ مجھے سوری کہہ رہی ہو۔۔۔ نہ انتظار کروانے پہ معذرت کا ایک بھی لفظ۔۔۔ اب انتظار تم کرو گی۔"

"جی۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ میں مہندی کی تقریب میں نہیں آ رہا۔۔۔ اور کل بارات لے کر بھی تب تک نہیں آؤں گا جب تک تم خود چل کے میرے پاس نہیں آؤ گی۔۔۔ مجھے سوری کہنے۔"

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆